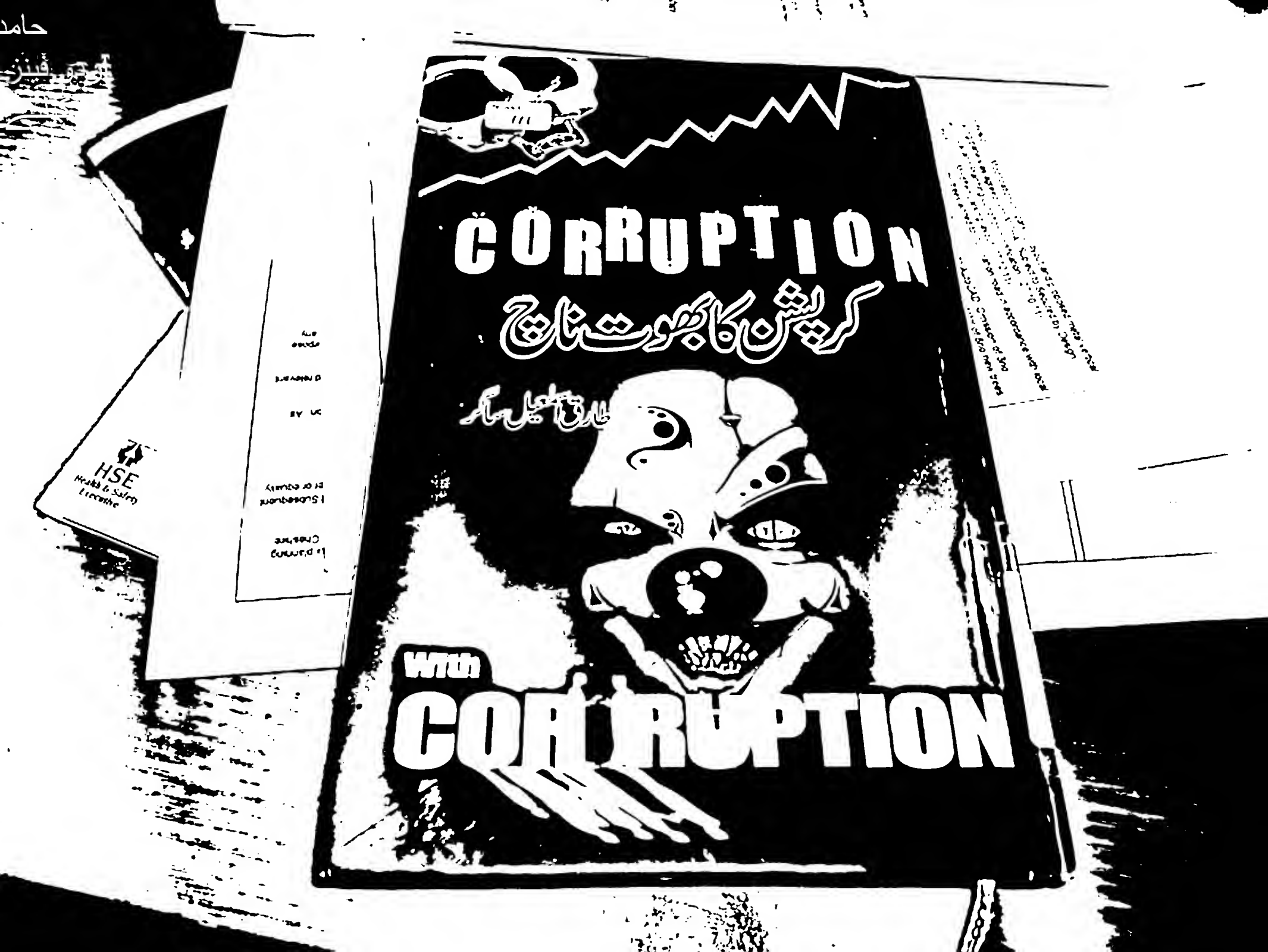
CORRUPTION
کرپشن کا بھوت ناچ
With
CORRUPTION

کرپشن کا بھوت ناچ

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلی کیشنز

16-ای ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور

Cell: 0300-9468248, Ph: 042-36361089

E-mail: ti_sagar@yahoo.com Web: www.nayajahan.com

پیش لفظ

یہ کتاب ان سیاہ چہروں کو بے نقاب کرتی ہے جو ہمارے ووٹوں سے ہمیں جمہوریت، روٹی، کپڑا، مکان، روزگار، انصاف وغیرہ کا لالچ دے کر برسر اقتدار آتے ہیں اور جیسے ہی وہ ایوان اقتدار میں پہنچتے ہیں اپنے تمام وعدے، ارادے، قسمیں وغیرہ بھول کر انسانوں سے آدم خور بن جاتے ہیں۔ نمرود، فرعون بن جاتے ہیں۔ اُن کے منہ کو انسانی خون کی ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ وہ خون آشام بھیڑیے بن کر بے کس، بے بس عوام کا خون پینے لگتے ہیں۔

حیرت اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ ان انسان نما درندوں نے پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکال لیا ہے لیکن ان کی خون کی پیاس نہیں بجھتی اور یہ ''ہل من مزید'' کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ یورپ، امریکہ کے محلات، مڈل ایسٹ کی فیکٹریاں، غیر ملکی بینکوں میں کھربوں روپے کے اکاؤنٹس رکھنے کے باوجود یہ انسان نما بھیڑیے مطمئن نہیں ہوتے اور دن رات لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھے ہوئے ہیں۔ اپنے خونی پنجوں سے پاکستانی عوام جوان کے نزدیک بھیڑوں کا ریوڑ ہے کی ہڈیوں سے چمٹا گوشت اُتارتے رہتے ہیں۔ یقیناً جہنم کی

آگ ہی ان کے پیٹ بھرے گی۔

کرپشن، لوٹ مار، بے حیائی اور حرامکاری کے اس حمام میں ایسے ایسے پردہ نشین ننگے ہوئے کہ الامان الحفیظ! کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس بے بس قوم کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے ایک آزاد عدلیہ نصیب فرمائی ہے جو اپنی بساط بھر کوششوں کے ساتھ ان پر گرفت کر رہی ہے اور پاکستانی عوام کی واحد اُمید بن گئی ہے۔

یہ مضامین ماہنامہ نیا جہان انٹرنیشنل کے گزشتہ ایک سال کے شماروں میں شائع ہوئے اور بلاشبہ تحقیقی صحافت کی اعلیٰ ترین روایات رکھتے ہیں۔ افسوس یہ دور اپنے الگ تقاضے رکھتا ہے جن پر کوئی غیرت مند صحافی شاید پورا نہیں اُتر سکتا یہی وجہ ہے کہ صحافت کی اعلیٰ اقدار کے امین وہ پرچے جنہیں سرکاری یا غیر سرکاری سرپرستی حاصل نہیں عوام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن تا بہ کے؟

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی بقاء کے لئے ہی سہی، اپنے افعال و کردار پر نظر ثانی کریں۔

طارق اسمٰعیل ساگر

اردو فینز
کیلئے

عنوان	صفحہ نمبر
لوڈشیڈنگ حقیقت یا سازش	7
شوگر مافیا کو بیوروکریسی نے پالا	22
پاکستانی معیشت کا کینسر	28
پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ	35
600 ارب روپے کے نئے ٹیکس	44
ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم	47
غلط زرعی پالیسیاں	55
کیری لوگر بل کیا دے گیا کیا لے گیا	59
لٹ کے کھا گئے	75
اقتصاد نہیں سونے کے ذخائر	83
30 ارب کے اور ٹیکس	92
بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار	98
پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ	108
کرپشن، حسد ملی کا کینسر	112
فاٹا کی مفلوج معیشت	119
تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں	123
پاکستان برائے فروخت نہیں	138
بجلی کی قیمتوں میں اضافہ	144

سرکاری دفتر تھنے	147
مہنگائی کا بے قابو جن	156
ڈی اے ٹی کا عذاب	160
معاشی ترقی کی حقیقت	165
لوڈ شیڈنگ مہنگائی، بیکاری آرائی	171
توانائی کا بحران	176
اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیجئے	183
لوٹ مار، ہوس دھاندلی کب تک؟	189
جھوٹ کا دھندہ	197
آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں	203
ڈالرز زیادہ اور بھارتی راجداری	208
معاشی گورکھ دھندہ	212
اقتصادیات کا جنازہ	216
پاک افغان تجارتی معاہدہ	225
کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے	233

حامد
اردو فینز
کیلئے

لوڈ شیڈنگ! حقیقت یا سازش

ملک میں جاری 20,20 گھنٹوں پر مشتمل اعلانیہ اور غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ نے اہل پاکستان کی زندگیوں کو اجیرن کر دیا ہے۔ بجلی کے مسلسل تعطل کے باعث معاشی ترقی کی رفتار قابل ذکر حد تک سست ہو چکی ہے۔ دفتری امور معطل ہیں، گھریلو زندگی اذیت ناک ہو چکی ہے۔ گرمی و حبس کی وجہ سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ گزشتہ دو ماہ کے اخبارات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب گرمی، حبس اور لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے چھ ہلاکتوں کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ ہسپتالوں میں مریض گرمی اور آپریشن وقت پر نہ ہونے کی وجہ سے جان کی بازی ہار رہے ہیں۔ طلباء کو پڑھنے اور امتحان کی تیاری کے لئے موم بتیاں جلانی پڑ رہی ہیں۔ کاروباری طبقہ الگ پریشان ہے، ان کے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے ہیں، صنعتیں بجلی کے اس بحران کی وجہ سے بند ہو رہی ہیں یا ان میں ڈاؤن سائزنگ ہو رہی جس کی وجہ سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو گئے ہیں اور ان کے گھروں میں چولہے ٹھنڈے پڑ چکے ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے میں ہونے والی تیز معاشی ترقی الٹے قدموں پیچھے کی طرف رواں ہے، پیداوار میں قابل لحاظ کمی واقع ہو رہی جس کے باعث قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ راتوں کو مسلسل وقفے وقفے سے

لوڈشیڈنگ کے وقت دکانوں کی بیٹری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے کاروبار متاثر ہو رہا ہے۔
اکثر دیہی آبادی صاحبِ حیثیت لوگوں میں کی آبادی ہے۔ بجلی کے نرخوں میں اضافے اور
لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں اضافے کی وجہ سے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور
ہڑتالوں کی وجہ سے نظامِ زندگی مفلوج ہو رہا ہے۔ سرکاری عمارتوں کے گیس اور ڈیزل
سے چلنے والے جنریٹروں پر منتقل ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے پیداواری لاگت میں اضافہ ہو رہا ہے۔
گزشتہ چند ہفتوں سے ان محسوس کی شدت میں روزبروز اضافہ ہو رہا ہے۔ 28 مئی کو پشاور
ہائی کورٹ کے دو رکنی بینچ نے ایک اہم فیصلہ کیا کہ اگر طویل لوڈشیڈنگ کا خاتمہ نہ ہوا
تو وہ پشاور کی تمام صنعتوں کو بند کرنے کا حکم دیں گے۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد
ہزاروں کی تعداد میں صنعتی یونٹس بند ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہزاروں تاجروں کو بھی
بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑا۔ اس فیصلے کے خلاف تاجروں کی طرف سے 21 جولائی کو پہیہ جام ہڑتال بھی
کی گئی۔ اس کے علاوہ تاجروں نے پیپلز پارٹی کی حکومت پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انہیں شریف
برادران کی حمایت کی سزا دی جا رہی ہے۔ لاہور کی ضمنی انتخاب میں بھی مشتعل مظاہرین نے
پولنگ سٹیشنوں کو نذرِ آتش کیا۔ لوڈشیڈنگ کی وجہ سے سیاسی میدان میں بھی
گرما گرمی اور ہنگامہ آرائی بڑھ گئی ہے۔ مسلم لیگ (ن) کے بہت سے لیڈر اپنی مرکزی قیادت کو مشورہ دے
رہے ہیں کہ وہ حکومت سے علیحدگی اختیار کرے اور عوامی ایجنڈا اپنائے ورنہ پچھلے
انتخابات میں ان کی پارٹی کو بھی عوامی مقبولیت گنوانا پڑے گی۔

لوڈشیڈنگ سے ملک میں بجلی کی شدید قلت پیدا ہونے کا
اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 65 ارب روپے کی سبسڈی ختم کیے جانے کے بعد یکم جولائی سے
بجلی کے نرخوں میں 17 فیصد اضافے کے باوجود عوام نے احتجاج کیا اور پہیہ
جام ہڑتال کی۔ اس کے علاوہ بجلی چوری کو روکنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ بھی
ناکام ہو گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

عدالت عالیہ کے ساتھ ساتھ عوام نے بھی اپنے حق عدالت نے سبسڈی ختم کرنے کا حکم دیا
کی ترجیح بڑھانے سے بھی روک دیا۔ عدالت عالیہ کی طرف سے سبسڈی ختم کرنے کا فیصلہ آنے کے
دوسری طرف صارفین نے اپنی صوابدید کو آئی ایف ایف کے حوالے کر دیا۔ آئی ایف ایف
کے مطابق اس سے بجلی کے نرخوں میں 30 فیصد اضافہ ہو جائے گا جو 17 فیصد اضافے
کے بعد ایک اور بجلی گرا دینے والا اضافہ ہو گا۔ اس کے علاوہ حکومت نے بجلی کے
نرخوں میں 13 فیصد مزید اضافہ کرنے کا بھی اعلان کیا ہے۔ یہ عمل لوڈشیڈنگ
کے خاتمے تک سبسڈی کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا۔ انتخابیہ اور عدلیہ کے درمیان تصادم سے
شروع ہونے والا تنازعہ بعض مبصرین کے نزدیک شدید تر ہو سکتا ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ
درمیان ٹکراؤ کا مظہر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے اور ریونیو کیس کے فیصلے
کے خلاف سپریم کورٹ کا از خود نوٹس بھی ہے، جس کو واپس کرنے کے لیے صدر، پٹرولیم
ڈویلپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) نافذ کرنا پڑا۔

حیرت کی بات ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے عوام کبھی آٹے کے بحران، کبھی شوگر بحران، کبھی بجلی
بحران اور کبھی مہنگائی اور بے روزگاری کے بحران کا عذاب جھیل رہے ہیں جبکہ اسکے برعکس آئل
کمپنیاں دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہی ہیں۔ جسٹس بھگوان داس کی سربراہی میں تشکیل
جانے والے جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 2001ء سے لیکر 2008ء کے درمیان
حکومت نے آئل سیکٹر سے 1 ٹریلین روپے (12.5 ارب ڈالر) کمائے جبکہ 02-2001 کے
مقابلے میں 08-2007 میں ہر آئل کمپنی نے 3516 فیصد سے زائد منافع کمایا ہے۔

پاکستان کی آئل ریفائنریز کو پیداوار منافع ہوا۔ مثال کے طور پر اٹک پٹرولیم کی پیداوار 1398
پاکستان آئل ریفائنری کا منافع 483 فیصد رہا۔ پاکستان نیشنل آئل کا منافع 440 فیصد،
فیصد رہی۔ شیل پاکستان کا منافع 830 فیصد، نیشنل آئل ریفائنری کا 768
پاکستان کا 170 فیصد، اٹک ریفائنری کا منافع 567 فیصد رہا۔ جب حکومت کی طرف سے کاربن ٹیکس
فیصد اور پاک عرب ریفائنری کا منافع 567 فیصد رہا۔ جب حکومت کی طرف سے کاربن ٹیکس
۔ کیا گیا تو اس رپورٹ کی سفارش کے مطابق سپریم کورٹ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے کاربن
ٹیکس کے نتیجے میں ہونے والے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو روک دیا، جس پر صدر
مملکت نے ساتویں رات پی ڈی ایل کو منظور کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے از خود نوٹس کے اثر کو زائل
کر دیا۔ حکومت نے پٹرولیم مصنوعات پر کاربن ٹیکس عائد کرنے کی یہ حالیہ کوشش ناکام ہوئی اور آئل کمپنیوں کے منافع کو محفوظ اور
آئی ایم ایف کی شرطوں کی پاسداری کرتے ہوئے صدارتی آرڈی نینس فوری طور پر نافذ ہو گیا۔
اخباری رپورٹوں کے مطابق آئی ایم ایف نے پی ڈی ایل کے نفاذ کی صورت میں ہی پاکستان کو
قرض کی تیسری قسط 84 کروڑ ڈالر فراہم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ گزشتہ سال بھی
حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی مد میں 129 ارب روپے وصول کئے، اور یہ سوچے بغیر کہ پچھلے
سال بھی پٹرولیم کی بلند قیمتوں کی وجہ سے عام آدمی کی زندگی اجیرن بنی رہی، اس سال بھی حکومت
نے منصوبہ بنایا کہ وہی آسان راستہ اختیار کیا جائے اور عوام کی رگوں سے جتنا خون نچوڑا جا سکتا
ہے، نچوڑا جائے۔ کاربن ٹیکس بنیادی طور پر ماحولیات کو بہتر بنانے اور آلودگی کو روکنے کے لئے
عائد کیا جاتا ہے جبکہ پاکستان میں یہ ٹیکس جس قسم کی ماحولیاتی آلودگی ہے جو ترقی یافتہ صنعتی ملکوں میں پائی
جاتی ہے، اس کی روک تھام میں اتنی طاقت ہے۔ وہ پٹرولیم مصنوعات پر مزید ٹیکس ادا کر
کے پی ڈی ایل سے حکومت کو حاصل ہونے والا اضافی ریونیو یکدم ختم ہو گیا جو سپریم کورٹ کے فیصلے
سے [illegible] کاربن ٹیکس جیسے ٹیکس لاگو کر کے عوام کی مشکل زندگی کو مزید مشکل
[illegible] اخراجات کو ایڈجسٹ کرتی، شاہی

اخراجات میں کمی لاتی اور بجلی کی سازگار پیداوار کو محدود کرتی۔ اس نے سرمایہ داروں سے
مخصوص ٹولے سے مفادات کو زک اور غریب صارفین و ریلیف ملنے کا خطرہ تھا اس لئے اس سال
بھی پٹرولیم پر ٹیکس سے اکٹھا کر بہت سا روپیہ اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی۔ پی ڈی ایل کو سپریم کورٹ میں
چیلنج کیا جا چکا ہے اور درخواست میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 77 کے تحت
صدر کے پاس ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ ریلیف کو ترستی قوم کی نظریں اب سپریم
کورٹ کے فیصلے پر ہیں۔

لوڈشیڈنگ کے بحران پر قابو پانے کے لئے فوری طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ نجی تھرمل کمپنیوں
کو واجب الادا رقوم ادا کی جائیں۔ حکومت اس وقت بھی 100 ارب روپے ان کمپنیوں کو دینے
ہیں اور اگر یہ دے دیئے جاتے ہیں تو لوڈشیڈنگ کا مسئلہ عارضی طور پر حل ہو جائے گا۔ آئی پی پیز کو
ادائیگی کے لئے کاربن ٹیکس اور پی ایل ڈی جیسے آرڈی نینس کے نفاذ کے بجائے شاہی اخراجات،
وزیروں کی فوج، بیرونی دوروں اور غیر ضروری اخراجات میں تخفیف کی جائے۔ کچھ دن قبل وزیر
اعظم نے ارکان پارلیمنٹ کو ان کے علاقے کے ترقیاتی کاموں کے لئے مختص رقم کو دوگنا کرتے
ہوئے ایک کروڑ سے بڑھا کر دو کروڑ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مانگے تانگے کے خزانے میں اتنی رقم
کہاں سے آ گئی اور اس رقم کو دوگنا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ پاکستان کا عام شہری
بھی اب یہ جاننے لگا ہے کہ ترقیاتی کاموں کے لئے ارکان پارلیمنٹ کے یہ صوابدیدی فنڈز دراصل ایک قسم کی رشوت ہوتے ہیں جو خود کو ارکان پارلیمنٹ میں مقبول بنانے کے لئے دی جاتی
ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ رقم ترقیاتی منصوبوں پر نہیں بلکہ ارکان اسمبلی کی جیبوں میں جاتی
ہے۔ ان اخراجات کو محدود کر کے تھرمل کمپنیوں کو واجب الادا رقم ادا کی جائے تاکہ لوڈشیڈنگ کے
عذاب سے بے حال لوگوں کو گرمیوں اور شدید حبس کے ان دنوں میں کوئی سکھ کا سانس نصیب ہو۔

یقیناً یہ بجلی کے بحران اور توانائی کی کمی کے مسئلے کا دیرپا حل نہیں بلکہ وقتی ہے، دیرپا حل کے لئے

ضروری ہے کہ واپڈا اور نیپرا سمیت بجلی فراہم کرنے والے اور ترسیل کا انتظام کرنے والے
اداروں سے کرپشن ختم کی جائے بجلی چوری کو روکا جائے۔ آبی ذخائر تعمیر کئے جائیں، تھرمل اور دوسرے
میں موجود کوئلے کے ذخائر کو بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ ایٹمی، شمسی اور ہوا کی
توانائی کو پاور سٹیشنوں کے لئے استعمال کیا جائے اور ڈیموں پر سیاست چمکانے اور فیصلے صادر
کرنے کی بجائے ان کی بروقت تعمیر شروع کی جائے۔ واپڈا اہلکاروں کی غفلت اور نااہلی کا عالم یہ
ہے کہ اس دوران جبکہ ملک بجلی کے شدید بحران کا شکار ہے ان دنوں منگلا پاور ہاؤس میں ٹرانسمشن
لائن کے جلنے سے 1100 میگاواٹ بجلی کی مزید کمی ہوگئی جس کی وجہ سے شاٹ فال کی مقدار
4000 میگاواٹ تک جا پہنچی۔ اس حادثے پر فرائض سے غفلت برتنے پر واپڈا کے 4 اہلکاروں کو
معطل کر دیا گیا۔ تحقیقات کے لئے حسب معمول کمیٹی قائم کر دی گئی جو پندرہ دن میں اپنی رپورٹ
پیش کرے گی۔ ملک ایسے حادثات پر مہذب ملکوں میں وزیر شذیب استعفیٰ دیا کرتے ہیں۔ کہا جا رہا
ہے کہ 25 جولائی تک ٹرانسمشن لائن مرمت ہو کر قابل استعمال ہو جائے گی۔

ایشیائی ترقیاتی بینک نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ پاکستان حکومت سب سے زیادہ
توانائی ضائع کرتی ہے۔ پاکستان صرف گیس کی ترسیل کے نظام کو بہتر بنا کر 58 کروڑ ڈالر کی
بچت کر سکتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گیس کی ترسیل کے فرسودہ نظام کی وجہ سے 30 فیصد
گیس ضائع ہو جاتی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صرف گھروں میں بجلی کے بہتر بلبوں
سے 880 میگاواٹ بجلی بچائی جا سکتی ہے۔ بجلی کی پیداوار اور ترسیل کے ذمہ دار
[illegible] میں [illegible] کی نااہلی کا عالم یہ ہے کہ عالمی بنک کی ایک رپورٹ ان کی
[illegible] میں بتتی ہے [illegible] پاکستان میں بجلی کے کنکشنز کے حصول کے لئے 84 فیصد اور
[illegible] سے 62 فیصد [illegible] ادائیگیاں کرتی ہیں بجلی چوری کی وارداتیں
[illegible] پاکستان سے [illegible] تک ہی محدود نہیں بلکہ کراچی جیسے بڑے

شہروں میں بھی ڈنکے کی چوٹ پر بجلی چوری کی جاری ہے مگر حکومت اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے
خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ بجلی کے بحران کے فوری خاتمے کے لئے مندرجہ بالا کوتاہیوں اور
سسٹم میں موجود کرپشن اور بجلی چوری کو روکنے کی شدید ضرورت ہے۔

مستقبل کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی اور بجلی و توانائی کی بڑھتی ہوئی طلب کے لئے ضروری ہے
کہ فیول کی بنیاد پر پیدا کی جانے والی مہنگی بجلی کی بجائے ملک میں موجود بے تحاشا قدرتی وسائل کو
استعمال میں لایا جائے۔ بھارت مسلسل پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں پر ڈیم بنا کر اور
سرنگوں کے ذریعے پانی چوری کر کے آبی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے جس پر آج تک متعدد
حلقوں کی طرف سے بجا طور پر غفلت برتی گئی ہے۔ دریائے راوی اور ستلج کے بعد بھارت بگلیہار
ڈیم بنا کر چناب کا پانی بھی روکنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔ بھارت اگلے چھ برسوں میں دریائے
سندھ کے 90 ملین کیوبک فٹ پانی پر قبضہ کرنے کے لئے کشن گنگا ڈیم بنا رہا ہے جو دریائے
سندھ کے 80 فیصد پانی کو سٹور کر لے گا۔ بھارت کی تین بڑی ڈونر ایجنسیوں نے گزشتہ
15 برسوں میں کالا باغ ڈیم کی مخالفت میں کمی نہ آنے کے لئے ڈیم مخالف تنظیموں میں 10 ارب
روپے بانٹے ہیں۔ سندھ واٹر کونسل کے چیئرمین کے مطابق بھارت پاکستانی دریاؤں پر 62 ڈیم
بنا رہا ہے جن میں سے 32 ڈیم مکمل کر لئے گئے ہیں اور باقی زیر تعمیر ڈیموں کی بھارت نے
2014ء تک تکمیل کرنی ہے۔ اگر یہ ڈیم بن گئے تو پاکستان کے لئے ایک قطرہ پانی نہیں بچے گا۔

آبی ماہرین کے مطابق قومی تقاضا یہی ہے کہ کالا باغ ڈیم کی فوری تعمیر کی جائے، کیونکہ یہ ملکی
ضروریات کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے اور اسی سے پاکستان کے سرسبز لہلہاتے کھیتوں اور وادیوں کو
بنجر ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کو التوا میں پڑے ہوئے چالیس سال کا عرصہ گزر
چکا ہے۔ موجودہ برسر اقتدار پیپلز پارٹی کی حکومت نے مسند اقتدار سنبھالتے ہی قومی مفادات کو پس
پشت ڈالتے ہوئے اس منصوبے کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ڈیم کی فزیبلیٹی، واپڈا ملازمین کی

منصوبوں اور سڑکوں کی تعمیر پر 180 ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ ڈیم کی تعمیر کے لئے جائزہ
رپورٹوں کی تیاری پر ایک ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ امریکہ سمیت بڑی طاقتیں کالا باغ ڈیم
کی تعمیر میں دلچسپی رکھتی ہیں کیونکہ مذکورہ ڈیم کی تعمیر سے قرار قرار پائے دے کا
یہ حصہ ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے بھارت کے مقابلے میں چین کے سٹریٹیجک مفاد کو نقصان
پہنچ سکتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کا منصوبہ پہلی بار 1953 کے ترک کر کے ہماری منتخب جمہوری حکومت نے
بنایا تھا۔ یہ اس کا ثبوت ہے۔ پاکستان کو قدرت نے پانی کے معاملے میں فیاضی سے نوازا ہے جس سے
ہم اپنی بجلی کی ضروریات با آسانی پوری کر سکتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف
آزاد کشمیر میں آبی وسائل سے 17000 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ ملک
بھر میں ہائیڈل پاور منصوبوں کے تحت 54 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ
اس وقت صرف 6500 میگاواٹ بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔

قومی وسائل کے بہتر ہائیڈل طریقے سے بجلی کی پیداوار کے لئے ایندھن کا ایک قطرہ بھی خرچ
نہیں ہوتا۔ گزشتہ دس برسوں میں واپڈا نے اپنے سسٹم میں سوائے غازی بروتھا سے پیدا ہونے
والے چند میگاواٹ کے علاوہ کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا۔ اس وقت اشد ضرورت ہے کہ نہ صرف
کالا باغ اور دیگر بڑے ڈیم بنائے جائیں بلکہ جہاں ممکن ہو کئی چھوٹے ڈیم بھی تعمیر کئے جائیں۔
اگر کالا باغ ڈیم کا منصوبہ آج سے 5 سال پہلے شروع ہو جاتا تو آج ہم جس بحران کا شکار ہیں اس کا
دورانیہ اتنا لمبا نہ ہوتا کیونکہ اس سے 3600 میگاواٹ بجلی پیدا ہونی تھی جبکہ اس وقت بجلی کا شارٹ فال
2000 میگاواٹ سے 4000 میگاواٹ کے درمیان ہے جس کو پورا کرنے کے لئے لوڈ شیڈنگ
کی مصیبت ہم سے چمٹی ہوئی ہے۔ کالا باغ ڈیم قومی اہمیت کا انتہائی نازک معاملہ ہے اور اسے
تمام صوبوں کی متفقہ رائے سے پیش نظر رکھنا چاہئے نہ کہ اسے خود غرضانہ سیاسی مفادات

اشرف دور حکومت میں ملک کے ترقیاتی بجٹ میں ریکارڈ اضافہ ہوا لیکن افسوس ناک امر یہ
ہے کہ اس عرصے میں ایک میگاواٹ بجلی کی اضافی پیداوار کے لئے بھی سرمایہ کاری نہیں کی گئی۔
راجہ اشرف حکومت بجلی کی بڑھتی ہوئی طلب اور اس کی رسد و طلب کے درمیان بڑھتے ہوئے
فرق سے بخوبی واقف تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں جان بوجھ کر پاور جنریشن کی طرف
توجہ نہیں دی گئی۔ اب یہ حقائق سامنے آ رہے ہیں کہ بجلی کی قلت سے ایک طاقت ور حلقہ وابستہ
ہے اور بجلی کی موجودہ بحران سے اس طبقے نے اربوں روپے بنائے ہیں۔ مثال کے طور پر
کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (کے ای ایس سی) ایک نجی ادارے کے حوالے کی گئی جس
کی بنیادی کاروبار جنریٹرز کی فروخت کا تھا۔ صرف 13 ارب روپے میں کے ای ایس سی جیسا ادارہ
اس نجی کمپنی کو دے دیا گیا حالانکہ کے ای ایس سی کے اثاثہ جات کی قیمت اس سے تین گنا تھی۔ اس
کمپنی نے نہ صرف کے ای ایس سی کے اثاثے گروی رکھ کر اربوں روپے کا قرض لیا بلکہ اسے
لوگوں کو بجلی فراہم کرنے سے زیادہ اس بات میں دلچسپی تھی کہ لوڈ شیڈنگ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ
اس کے جنریٹرز زیادہ فروخت ہوں۔ ایک غیر سرکاری مارکیٹ سروے کے مطابق اس عرصے میں
ساڑھے تین ارب روپے کے جنریٹرز فروخت ہوئے۔ اس کے بعد مزید ظلم یہ کیا گیا کہ کمپنی کی
جوابدہی کی بجائے اسے آسانی سے راستہ دیدیا گیا کہ وہ کے ای ایس سی کو بحران میں چھوڑ کر چلی
جائے۔ بعد ازاں کے ای ایس سی ایک دوسری غیر ملکی نجی کمپنی کے حوالے کی گئی جس کی انتظامیہ
کے بارے میں تمام اہل کار کہہ رہے ہیں کہ یہ نجکاری کے معاہدے کی پاسداری نہیں کر رہی ہے۔
اس نے نہ صرف یہ کہ نئے پاور جنریشن پلانٹس نہیں لگائے بلکہ موجودہ پاور جنریشن پلانٹس کو بھی ان
کی گنجائش کے مطابق نہیں چلا رہی تاکہ مبینہ طور پر فیول کے اخراجات بچائے جا سکیں۔ عام لوگ
جو لوڈ شیڈنگ کا عذاب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اضافی بلوں کی شکایت کر رہے ہیں (جبکہ
لوڈ شیڈنگ کا بل بھی دے رہے ہیں) ان کی کوئی نہیں سن رہا، کیونکہ ان معاملات سے بڑے

ڈوبا چاہتے۔ اس سے ماحول بھی محفوظ رہے گا۔ پھر انہوں نے ایسے علاقوں کی نشاندہی کی جہاں سے بآسانی 5000 میگاواٹ سے زائد بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ صوبہ آزاد کشمیر نے 30 مختلف کمپنیوں کو جہلم، نیلم اور چند دیگر مقامات پر بجلی پیدا کرنے کی اجازت بھی دی ہے مگر ایک کے سوا کسی بھی پراجیکٹ پر تعمیراتی سرگرمیاں شروع نہ ہو سکیں۔ جس بجلی بحران کا پاکستان کو سامنا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے پانی سے بجلی پیدا کرنے کے آپشن کو استعمال کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے لئے پانی کے جو بھی دستیاب وسائل ہیں ان سے بنیادی فوائد اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

بجلی پر سبسڈی کے خاتمے اور پٹرولیم پر کاربن ٹیکسز کی شرط تو آئی ایم ایف نے لگا کر حکومت کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں لیکن کیا ڈیموں کی تعمیر اور دوسرے ذرائع سے توانائی کے حصول کی شرط بھی آئی ایم ایف یا ورلڈ بنک نے رکھی ہے یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر کیوں اتنے اہم معاملات میں غفلت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ ویسے تو یہ بھی کتنی بے بسی کی بات ہے کہ بجلی پر سبسڈی کے معاملے پر بھی ہمیں آئی ایم ایف کی ہدایات پر عمل کرنا پڑتا ہے اور سبسڈی ختم کرنے کی مہلت بڑھانے کے لئے ہمارے مشیر خزانہ کو امریکی حکمرانوں کی منت سماجت کرنا پڑتی ہے۔ اس غلامی سے نکلنے کا واحد حل بھی یہی ہے کہ توانائی کے شعبے میں خود کفالت حاصل کی جائے اور شاید اسی صورت ہم عالمی استعماری طاقتوں کے استحصال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ سبسڈی کا مقصد غریب عوام کی قوت خرید میں اضافہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھ سکیں، خود عالمی

ملاقیتیں اور خوشحال ممالک بھی کئی شعبوں میں اپنے عوام کو سبسڈی دیتے ہیں۔ امریکہ صرف زرعی شعبے کو سالانہ 4 کھرب ڈالر کی سبسڈی فراہم کرتا ہے مگر پاکستان کے غریب عوام جن کی قوت خرید کمزور تر ہو چکی ہے، کے لئے اس سہولت کا استعمال شجر ممنوعہ قرار دی جا چکی ہے۔

آبی وسائل کو استعمال کرنے کے علاوہ بھی پاکستان کے سامنے کئی آپشنز ہیں جن کو بروئے کار لا کر توانائی کے بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر صوبہ سندھ کے علاقے تھر میں دریافت شدہ کوئلے کی مقدار 75 بلین ٹن کے قریب ہے، جبکہ داود اور بدین میں بھی 10 بلین ٹن کوئلے کے ذخائر موجود ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سندھ کے کوئلے کو توانائی کے طور پر استعمال کرنے سے پاکستان میں نہ صرف بجلی کی کمی دور ہو سکتی ہے بلکہ پاکستان بجلی کی پیداوار میں خود کفالت حاصل کر کے بجلی برآمد کرنے والے ملکوں میں بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن پاکستان میں موجودہ عالمی تیل مافیا اور اس کے کارندے کوئلے کے ان ذخائر کو بطور ایندھن استعمال کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ تیل مافیا کو خدشہ ہے کہ اگر سندھ کا کوئلہ توانائی کے ذریعے کے طور پر استعمال ہونے لگا تو پاکستان میں آئل کمپنیوں کی دکانیں بند ہو جائیں گی۔ بے نظیر بھٹو نے بطور وزیر اعظم 1996ء میں سندھ میں موجود کوئلے کے ذخائر کو استعمال میں لانے کی کوشش کی تھی اور اس سلسلے میں بیرونی کمپنیوں کے ساتھ کئی ایک معاہدے بھی ہوئے تھے لیکن عوام دشمن قوتوں نے ان کی حکومت کے ساتھ تھر کول پراجیکٹ کو بھی ختم کر دیا۔ موجودہ حکومت نے بھی تھر کے کوئلے کو بطور ایندھن استعمال کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں تھر کول اینڈ انرجی بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر سلیم سندھو نے گزشتہ سال واشنگٹن میں سرمایہ کاروں کی کانفرنس بھی منعقد کی۔ معلوم نہیں کہ یہ منصوبہ کہاں تک پہنچا ہے، اگر یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو امکان ہے کہ پاکستان میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ قصہ پارینہ بن جائے گی۔ لیکن تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ [illegible] باعث اپنے وسائل بھی اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی

پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تھر کے کوئلے کے ذخائر توانائی میں خسارے کے لئے کسی بہادر اور محب وطن لیڈر کے منتظر ہیں۔ اگر یہ ذخائر صحیح طور پر استعمال ہو جاتے ہیں تو یہ اگلے 150 سالوں تک پاکستان کی بجلی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے آئندہ دس بارہ سال میں ایک لاکھ میگا واٹ تک بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔

پرویز مشرف نے 30 اپریل 2005ء کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے Alternative Energy Development Board قائم کیا تھا جس کا مقصد ملک میں توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا تھا تاکہ توانائی کے بحران سے نمٹا جا سکے۔ حکومت نے اس ادارے کو 2030 کا ٹاسک دیا تھا جس کے دوران اسے 9700 میگا واٹ بجلی کی پیداوار کا ہدف پورا کرنا تھا۔ بورڈ نے اس سلسلے میں ہوائی اور شمسی توانائی پیدا کرنے کے کئی منصوبے بنائے جن میں سے کچھ پر معمولی آمد بھی شروع کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلا منصوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ کے علاقے گھارو میں ہوائی چکیوں کی تنصیب کا تھا تاہم اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ منصوبہ کس حالت میں ہے اور یہ ادارہ کیا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی پیدا کرنے کے لئے ایٹمی انرجی بھی استعمال ہو سکتی ہے جس کی طرف توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں قوم کو مبتلا کرنے میں واپڈا کا بھی اہم کردار ہے جس پر لوٹ مار کرنے والا طبقہ چھایا ہوا ہے۔ واپڈا کے معمولی اہلکار بھی بہتی گنگا میں نہا چکے ہیں اور اپنی آنے والی کئی نسلوں کو غم روزگار سے بے نیاز کر چکے ہیں لائن مین کی سطح کے آدمی پوش علاقوں میں کروڑوں روپے کے مکانوں میں رہائش پزیر ہیں۔ واپڈا کے کرپٹ ملازمین نے ہمیشہ اسے خسارے میں رکھا ہے جبکہ ماہرین کے بقول واپڈا کو تربیلا ڈیم کی بجلی کا ایک یونٹ ڈیڑھ روپے کے لگ بھگ پڑتا ہے جسے عام لوگ کس قیمت پر خرید رہے ہیں یہ سب صارفین جانتے ہیں۔ ایک معمولی فہم رکھنے والا آدمی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ تین سے پانچ گنا نرخ وصول کرنے کے باوجود

خسارہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کروڑوں روپے جو لائن لاسز کی مد میں ڈالے جاتے ہیں انہی کرپٹ اہلکاروں کی جیبوں میں جا رہے ہیں۔ کرپشن کی لعنت سے نجات حاصل کیے بغیر اس بجلی بحران سے نجات محال ہے۔

حیرت ہوتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ کالا باغ ڈیم پر صوبے رضامند نہیں۔ ایک سادہ سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے پر تمام صوبے، تمام سیاسی جماعتیں، تمام پریشر گروپ تیار تھے، یقیناً نہیں۔ لیکن اس وقت کے فوجی آمر نے عالمی مفادات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور کمانڈو جرنیل نے ایک ٹیلی فون کال پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن اسی بہادر جرنیل کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ ملکی سلامتی کے ضامن اور قومی نوعیت کے اہم منصوبے پر بہادرانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کی تعمیر کا حکم دے دیتا۔ جب تن تنہا بلوچوں کے ہر دلعزیز لیڈر کو پہاڑی غاروں میں قتل کیا جا سکتا تھا اور صوبے کے عوام کے احساسات کو پامال کیا جا سکتا تھا، جب ایک پرائی جنگ کو اپنے ملک لا کر لوگوں کو دہشت زدہ کیا جا سکتا تھا اور لوگوں کی رائے اور صوبائی اتفاق رائے اس کے لئے غیر اہم قرار پا سکتا تھا اور جب ایک دور کے سٹریٹیجک پارٹنرز طالبان کو مسند جنرل قلم صف دشمناں میں کھڑا کیا جا سکتا تھا تو آبی ذخائر کی تعمیر پر ہر دلعزیز فیصلوں کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی تھی۔ مان لیتے ہیں اگر یہ منصوبہ کچھ لوگوں کو ناراض کرتا تو آخر لوگوں نے باقی ناپسندیدہ فیصلے بھی تو قبول کیے تھے، لیکن چونکہ ان منصوبوں کا فائدہ عالمی طاقتوں کو نہیں ہوتا تھا اس لئے یہ درخور اعتنا نہ سمجھے گئے اور آمر اپنے پورے دور حکومت میں 1 میگاواٹ بجلی پیدا کیے بغیر ہی اپنی منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

موجودہ حکومت میں بھی صورت حال کوئی اتنی زیادہ تبدیل شدہ نظر نہیں آتی اور یہ بھی عالمی سفارتی طاقتوں سے "ذمہ داری بشرط استواری" نبھا رہے ہیں۔ پاکستانی خارجہ پالیسی تو کبھی پتہ بھی نہیں چلتی تھی کہ انہوں نے داخلی معاملات میں بھی عالمی طاقتوں کی غلامی کی روش اپنا

لی ہے اور آئی ایم ایف کے معاشی فیتے میں خود کو گرفتار کرا کے ان کے فیصلے یہاں نافذ کرا رہے ہیں۔ باقی رہ گئے پاکستان کے غریب عوام جو نہ صرف دہشت گردی، ڈرون حملوں اور خودکش بمباروں کی زد میں ہے بلکہ غربت، جہالت، بے روزگاری، مہنگائی کے ساتھ ساتھ اب لوڈشیڈنگ کے شاہی کوڑے بھی سہہ رہی ہے۔ سیاست دانوں، چوروں، لٹیروں اور مافیاز کے لئے قانونی تحفظ اور این آر او زموجود ہیں مگر ملک کے غریب عوام کے لئے نہ پارلیمنٹ میں قانون سازی ہے نہ فیصلہ سازوں کا رحمدلانہ رویہ۔ کبھی کسی آمر پر بھروسہ کرتے اور کبھی جمہوری حکومتوں سے آس لگاتے غریب عوام آخر کیل سپریم کورٹ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں مگر بقول فیض

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

وزیر پانی و بجلی بار بار ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں کہ دسمبر تک لوڈشیڈنگ کا خاتمہ کر دیا جائے گا مگر معلوم نہیں کہ ان کے پاس جادو کی ایسی کون سی چھڑی ہے جو چند ماہ میں سب کچھ تبدیل کر دے گی۔ صدر زرداری کی طرف سے بھی اعلان کیا گیا ہے کہ فی صوبہ 8 ڈیم کے حساب سے 32 نئے ڈیم تعمیر کیے جائیں گے، امید ہے مقتدر حلقوں کی طرف سے اس بار کیے جانیوالا وعدہ ایفا ہو گا۔ وزیر اعظم کا فرمانا ہے کہ "قوم دعا کرے کہ لوڈشیڈنگ کا جلد از جلد خاتمہ ہو جائے"۔ وزیر اعظم کی معصومیت اور بھولپن اپنی جگہ مگر کوئی ہمارے چارہ سازوں کو یہ اطلاع دے کہ دعاؤں سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں بلکہ دعاؤں سے لوگوں کے ضمیر بدلتے ہیں اور دعا کرنے کی ضرورت خود ان کو ہوتی ہے جن کا بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ عوام کی دعاؤں سے اگر بحران ٹلتے تو ہم کیوں مسلسل ساٹھ سالوں سے دعاؤں کے باوجود بحرانوں کی زد میں ہوتے۔

(اگست 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

شوگر مافیا کو بیوروکریسی نے بچالیا!

ان خونخوار درندے جن کے منہ کو گذشتہ کئی سالوں سے پاکستانی غریب عوام کا خون لگ چکا ہے اور جن پر وحشت و درندگی کا خصوصی دورہ عموماً رمضان المبارک کے مقدس و مطہر مہینے سے پہلے پڑتا ہے، ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک سے پہلے حرکت میں آئے اور ان شیطانی چیلوں نے اس مرتبہ چینی پر حملہ کیا۔ یوں تو تمام اشیائے خورونوش ان کی درندگی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں لیکن اس مرتبہ بطور خاص چینی کو کیوں نشانہ بنایا گیا اس کی تفصیلات بڑی لرزہ خیز لیکن عام پاکستان کے لئے فی الحال ضروری نہیں کہ وہ اس کا ایک عرصہ سے شکار ہوتا آرہا ہے۔ یہ شیطانی ذریکولا پاکستانی عوام کا اتنا خون پی چکے ہیں کہ اب وہ انہیں اپنا خون پلانے کا عادی ہوتے جارہے ہیں۔

اگست کے پہلے ہفتے تک چینی بازار میں 35 روپے کلو تک آسانی سے دستیاب تھی لیکن اچانک دوسرے ہفتے میں اس کی قیمت 50 تا 55 روپے فی کلو ہوگیا جو سمجھ سے باہر تھا، لوگ حیران تھے کہ اس مرتبہ چینی کا قحط کیسے آگیا جبکہ حکومت کی طرف سے اس ضمن میں کبھی کچھ نہیں کہا گیا اور نہ ہی کسی ذریعہ سے یہ خبر آئی تھی کہ اس مرتبہ گنے کی فصل سے متوقع پیداوار کے اندازوں کے باوجود ہمارے ہاں اجناس کی پیداوار اچھی ہی ہوتی ہے لیکن ہوگی یہی منظر ہے کہ اس مملکت خداداد میں شیطانی چیلوں چانٹوں کی

سازش کے باوجود غریب پاکستانی قطعاً کوئی پرواہ نہ ہوں لیکن یہ شیطانی ٹولہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں رہتا۔

شوگر مافیا نے اس مرتبہ جو طریق واردات اپنایا اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں، ان لوگوں نے کوشش کی تھی کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں چینی کے نرخ 60 روپے کلو تک پہنچا جائیں جس کے لئے سرکاری ایوانوں میں موجود ان کے ساتھیوں اور شوگر مافیا کے کرتا دھرتا تمام ممکن کوشش میں مصروف تھے، اس مقصد کے حصول کے لئے اقتصادی رابطہ کمیٹی ECC کو نظر انداز کیا گیا، گذشتہ 9 ماہ کے دوران شوگر ملز ایسوسی ایشن آف پاکستان (پی ایس پی) کی فیصلہ سازی میں بیوروکریسی کی گہری اور شوگر ملز مالکان اور تاجروں، جو سب سیاستدانوں کے اتحادی ہیں سے وابستہ ہیں کے لئے اربوں روپے کے فوائد کے لئے ملک میں چینی کی قیمتوں میں ناقابل اعتبار حد تک اضافے کا ہدف حاصل کیا گیا۔ پی ایس پی کے ذرائع اور چینی کے ماہر تاجروں کے مطابق چینی کی قیمتوں میں انتہائی حد تک اضافے کا منصوبہ گذشتہ سال اس وقت بنایا گیا جب پاکستان کی سالانہ شوگر رپورٹ برائے 2009-10ء میں پیش گوئی کی گئی کہ ملک کی سالانہ 4.35 ملین ٹن کے مقابلے میں پیداوار 3.65 ملین ٹن رہے گی، لہٰذا سات لاکھ ٹن کی قلت کا امکان تھا۔ چینی کی نمایاں قلت کا علم پہلے سے ہی ہوجانے سے حکومت کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) کو اس بات کا موقع دیا گیا کہ وہ جلد از جلد مناسب ٹیرف پر صاف اور خام چینی کی درآمد کے لئے آرڈر جاری کر کے طلب اور رسد کے فرق کو ختم کرے۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس سے چینی کی قیمتیں مناسب حد پر برقرار رہتیں۔ شوکت ترین کے تحت اقتصادی رابطہ کمیٹی نے پی ایس پی کو ہدایت دی کہ وہ اپنے چینی کے ذخائر کو بہتر بنانے کے لئے دو لاکھ ٹن چینی درآمد کرے اور تخمینہ لگاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس عمل کو فوراً مکمل کیا جائے کیونکہ آئندہ ہفتوں میں چینی کی عالمی قیمتوں میں اضافے کا امکان تھا۔ اقتصادی رابطہ کمیٹی کا اجلاس تین فروری 2009ء کو بھی ہوا جس میں پی ایس پی کو محتاط ہدایت دی

چینی کی قیمتوں کو قابو میں رکھنے کے لئے پاکستان شوگر ملز ایسوسی ایشن نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ حکومت یوٹیلٹی سٹورز کو ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرے تاکہ چینی کی بڑھتی قیمتوں کو روایت کو ختم کیا جا سکے۔

چینی کی قیمتوں کی نگرانی کرنے والے بااثر شوگر مل مالکان اور ڈیلرز جانتے تھے کہ اگر یہ فیصلہ نافذ ہو جاتا تو اقتصادی رابطہ کمیٹی کا فیصلہ چینی کی قیمتوں میں تیزی سے اضافے کے رجحان کو ختم کر دے گا اور اگر ای سی سی کا فیصلہ کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر دیا جائے تو اس سے چینی کی خرید و فروخت کے نتیجے میں ان کی قسمت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ ان بااثر گماشتوں نے سرکاری صفوں میں اپنا کام دکھایا۔ ایک طرف ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان نے دو لاکھ ٹن چینی کی فوری درآمد کے فیصلہ پر عارضی طور پر عملدرآمد روک دیا اور اپنے وفاقی وزیر سے یوٹیلٹی سٹورز کو ایک لاکھ ٹن چینی بھی جاری نہیں کی جبکہ دوسری طرف اقتصادی رابطہ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ چینی کی درآمد کے حوالے سے ای سی سی کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرنے پر پی سی پی کے چیئرمین سے وضاحت طلب کی جائے اور اس سے جارحانہ انداز میں سوالات نہیں کئے جائیں گے۔

2 مارچ 2009ء کو ہونے والے اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں پی سی پی کی کمچائی نہیں کی گئی۔ وفاقی وزیر نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یوٹیلٹی سٹورز کو 34 روپے فی کلوگرام کے حساب سے ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرنے کے پہلے کے احکامات کی بجائے چینی 38 روپے فی کلوگرام کے حساب سے جاری کی جائے۔ اس اقدام کا مقصد مقامی مارکیٹ میں چینی کی قیمتوں کے بڑھتے ہوئے رجحان پر قابو پانے میں مدد کرنا تھا۔ جو بات اسے مزید پراسرار بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ای سی سی نے 38 روپے فی کلوگرام سے کم نرخوں پر چینی فروخت کرنے سے یوٹیلٹی سٹورز کو روک دیا تھا جبکہ اس وقت مارکیٹ میں چینی کی قیمتیں ریکارڈ سطح یعنی 52 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گئی تھیں جب چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے فروری

میں، جب عالمی سطح پر قیمتیں درمیانی سطح پر تھیں، چینی کی درآمد کے لئے دیا جانے والا آرڈر فی پی سی کی بورڈ کریسی میں پھنسا ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مئی اور جون میں 50 ہزار ٹن چینی کی درآمد کے لئے فی سی پی کی جانب سے جاری کئے جانے والے ٹینڈر کو بھی فی سی پی کی جانب سے منسوخ کر دیا گیا، جس کی وجہ سے بھی چینی کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ چینی کی بااثر کی جانب سے اٹھائے جانے والے فائدے کی یہ ایک اور مثال ہے۔

اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرنے والے وفاقی وزیر خزانہ شوکت ترین نے اس سلسلے میں معروف تجزیہ نگار کامران خان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "یہ سنجیدہ نوعیت کا معاملہ ہے اور اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں ہم نے فی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی خلاف ورزی کی تحقیقات کا حکم دیا ہے"۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ "اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ فی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی کھلی خلاف ورزی نے ملک بھر میں چینی کی قیمتوں میں زبردست اضافے میں کردار ادا کیا ہے"۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ زبردست منافع کی خاطر چینی کے بڑے ذخائر کی ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے۔ انہوں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ یوٹیلٹی سٹورز کو اپنے ذخائر سے ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرنے کے لئے فی سی پی کو ای سی سی کی جانب سے دی گئی ہدایت پر عملدرآمد میں تاخیر کرنے کی ہدایت ایک بااثر وفاقی وزیر نے دی تھی۔ انہوں نے مذکورہ وزیر کا نام نہیں بتایا تاہم اتنا کہا کہ اس سلسلے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔ انہوں نے آگاہ کیا کہ انہوں نے اب فی سی پی کو ہدایت دی ہے کہ وہ ای سی سی کے پہلے فیصلے کے تحت ہر ماہ 38 روپے فی کلوگرام کے خوردہ نرخ پر یوٹیلٹی سٹورز کو 70 ہزار ٹن چینی جاری کرے۔ انہوں نے کہا، "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ یوٹیلٹی سٹورز سے چینی بھاری منافع کمانے والوں کی بجائے عام لوگوں تک پہنچے"۔ اس سے پہلے ملک میں چینی کی قیمتوں میں زبردست اضافے کو یقینی بنانے کے لئے انتہائی

ظرانہ انداز سے اقدامات کئے گئے جس سے چینی کی درآمد کرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کے علاوہ چینی کی برآمد پر عائد 15 فیصد ڈیوٹی کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس وقت شوگر ملز ایسوسی ایشن کے چیئرمین مخدوم جاوید ہاشمی کے بھائی مخدوم عمر زمان تھے

پاکستانی معیشت کا کینسر

1689ء میں یہودیوں نے اپنی سازشوں اور مالی امداد سے ہالینڈ کے ایک باشندے William Stradholder کو انگلستان کا بادشاہ بنوا دیا تھا اور اسے کاروبار مملکت چلانے کے لئے سالانہ بارہ لاکھ پاؤنڈ قرض بھی دیا تھا۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اس بدیسی بادشاہ انگلستان نے یہودیوں کو "بنک آف انگلینڈ" قائم کرنے کا چارٹر عطا کیا اور اس بنک کو ایسی ایک ہوشربا مراعات دیں جو انگلستان کو یہودیوں کے ہاتھ کوڑیوں میں فروخت کر دینے کے مترادف تھیں۔ ہمارے زمانے کے بنک اسی بنک آف انگلینڈ کی ذریت ہیں۔ اسلام میں سودی کاروبار حرام ہے اور ہمیں پاکستان میں بنکوں کو کام کرنے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر پاکستان اتنے مشکل حالات میں بنا تھا اور اتنے مسائل کا شکار تھا کہ یہاں کی حکومت سود کے خاتمے کی طرف فوری توجہ نہیں دے سکی۔ پھر بھی قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں دلچسپی لی اور یہ امید ظاہر کی کہ یہ ڈیپارٹمنٹ پاکستانی مالیاتی نظام کو اسلامی اقدار کے سانچے میں ڈھالے گا مگر قوم کی بدقسمتی نے وفا نہیں کی اور ملک لٹیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو بنکوں کو [illegible] طرح کا کنٹرول بنایا جانے لگا اور انہیں ملک کی دولت لوٹنے کا

پورا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ بنکوں نے بھی دانستہ Bad Debts دے دے کر اور پھر معاف کر کے صاحبان اختیار کی جیبیں رشوت سے بھر دیں۔ اب اس وقت ملک کی مالیاتی صورت حال یہ ہے کہ جتنے کرنسی نوٹ سٹیٹ بنک میں ذخیرے میں ہیں یا نئے چھاپ کر سٹیٹ بنک میں بند کئے جاتے ہیں وہ "منی مارکیٹ" کے کنٹرول میں ہیں اور حکومت اور عوام کے پاس صرف وہ کرنسی نوٹ ہیں جو پہلے سے ان کے درمیان زیر گردش ہیں۔ یہ ایک "جوئے کم آب" ہے جو عوام اور حکومت کے درمیان چکر لگاتی رہتی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی یا ضروریات کے تناسب اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر اضافہ ہوتا ہے تو وہ سودی قرض کی صورت میں ہوتا ہے جو حکومت/عوام سٹیٹ بنک/بنکوں سے لیتے ہیں اور جتنا لیتے ہیں معہ سود اس سے زیادہ واپس کرتے ہیں جس کے نتیجے میں حکومت اور عوام کے درمیان زیر گردش کرنسی نوٹ مزید کم ہو جاتے ہیں جبکہ آبادی اور ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ اس سے حکومت اور عوام غریب سے غریب تر ہو جاتے ہیں۔ ان دو فریقوں، حکومت اور عوام، میں چونکہ حکومت طاقتور اور عوام کمزور ہیں اس لئے حکومت زیر گردش کرنسی نوٹوں کا بڑا حصہ ٹیکسوں کی شکل میں عوام سے جبراً لے لیتی ہے اور انہیں مفلسی کے سمندر میں غوطے کھانے کے لئے چھوڑ دیتی ہے اس طرح پاکستان کی آبادی دو طبقات میں تقسیم ہو گئی ہے۔

1۔ عیش و عشرت میں غرق حکمران اور 2۔ مفلسی کا شکار عوام۔ دولت کی فراوانی سے حکمرانوں میں بے انتہا اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جبکہ مفلسی کے شکار عوام ہر طرح کے مجرموں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے دشمنوں خصوصاً بھارت اور اسرائیل نے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ بھارت نے پاکستان کو حالت جنگ میں رکھ کر حکومت پاکستان پر اخراجات کا بہاڑ لاد دیا ہے جو ان کے عیش و عشرت پر ہونے والے اخراجات کے علاوہ ہے جبکہ اسرائیل نے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو بیرونی قرضوں کے جال میں پھنسوا دیا۔ واضح ہو کہ تمام بین الاقوامی قرض دینے والے ادارے یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ پھر قرضوں کے دباؤ

میں پاکستان کے حکمرانوں سے پاکستان کی اسلامی حیثیت ختم کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے لئے انگلش میڈیم تعلیمی ادارے کو استعمال کر رہے ہیں۔ ٹی وی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹی وی کے اکثر اینکر حکمران طبقہ کے نمائندے ہیں اور انگریزی کو حکومت کی زبان بنا چکے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر آنے والی خواتین سے ان کی زینت کی چیزیں جنہیں اللہ نے چھپانے کا حکم دیا ہے ظاہر کروائی جا رہی ہیں۔ عورتوں کا مردانہ انداز سے ملاپ کرایا جا رہا ہے (معذرت چاہتی کے) اور مخلوط تعلیمی ادارے قائم کئے جا رہے ہیں جبکہ خود انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں عورتوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں ان کے پردے کا اطمینان بخش انتظام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹرینوں میں عورتوں کے لئے علیحدہ ڈبے ہوتے تھے جہاں وہ اطمینان سے لیٹ بیٹھ سکتی تھیں۔ پاکستان میں یہ سب تقریباً ختم کر دیا گیا ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں سے زیادہ انگریز بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان سب کوششوں کے پس پردہ ان کی اسلامی پابندیوں سے آزاد ہونے کی خواہش ہے کہ جو جی چاہے کریں انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ یہ ان کی خواہش ہے پوچھنے والے تو مغربی معاشرے میں بھی ہوتے ہیں البتہ جنسی آزادی پر وہاں روک ٹوک نہیں ہوتی مگر باہمی رضامندی شرط ہے۔

پاکستان قدرتی وسائل اور دیگر ذرائع آمدنی سے مالا مال ہے اور اسے قرضوں کے جال سے نکال کر ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانا بہت آسان ہے، اس کے لئے صرف سودی کاروبار کو غیر قانونی قرار دے کر کرنسی کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا جائے۔ We control the currency and we do not care who makes the other Laws. (Jewish Baukers) میں لیا جائے گا جس کے لئے سٹیٹ بنک کو "بنکوں کے بنک" کے بجائے "قومی بنک" قرار دینا ہوگا اور اسے ہمیشہ کرنسی سے بھرا ہوا رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد حکومت اپنے [illegible] ملک کو ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانے کے لئے قومی خزانے کو

بلاخوف "افراط زر" استعمال کرے اور عوام سے کوئی ٹیکس نہ لے۔ اس طرح حکومت اور عوام دونوں کے پاس بے حساب پیسہ آ جائے گا۔ پیک اور پرابرٹی دونوں کیٹگریوں میں تیز تر ترقی اور خوشحالی کا عمل ایک ساتھ شروع ہو جائے گا۔ [illegible] سے بچ جائیں گے۔ [illegible] پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا۔ بچت کی ضروریات زندگی ان سے سرپرست خرید لیں گے۔ پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا۔ ہماری سستی پیداوار مصنوعات دنیا کی منڈیوں میں چھا جائے گی اور ہمارا آئندہ بھی بیرون ممالک کے ساتھ ادائیگیوں کے توازن کا مسئلہ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ۔

ابتدائی چند سالوں کے علاوہ پاکستان میں [illegible] صورت نہیں لیکن اس کی صورت رہی ہے جو عوام کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے قدیم حکمرانوں کے تعاون سے تعمیر کردہ اور حکومت کرو (Divede and Rule) پر عمل کر کے اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر قدرتی وسائل سے دولت پیدا کرنے کے بجائے ملک میں موجود دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ یہ لٹیرے پاکستان میں نفاذ اسلام کے سخت ترین مخالف ہیں کیونکہ اس سے ان کے لوٹ مار کے مواقع جاتے رہیں گے اور یہ اب تک نہ صرف نفاذ اسلام کو روکنے میں کامیاب رہے ہیں بلکہ انہوں نے قوم کے اخلاق کو اتنا خراب کر دیا ہے کہ وہ اب نفاذ اسلام کا تقاضہ بھی نہیں کرتی اور تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ گئی ہے۔

جب لٹیروں کی بری حکومت عوام کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو فوج کو مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ فوج کے حکومت میں آنے پر عوام مٹھائی بانٹتے ہیں اور حکومت کو استحکام حاصل ہو جاتا ہے مگر یہودیوں کے آلہ کار بین الاقوامی سازشی قوتیں حکومت کو بھی چلنے نہیں دیتے۔ کیونکہ پاکستان کو تباہ کرنا ان کے پیش نظر ہے، عوام کی بدقسمتی سے ملک میں عوام دوست لیڈروں کا قحط ہے اور جو بطور استثنیٰ ہیں بھی ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مانند ہے۔ پاکستان میں مذہب ایک بڑی طاقت ہے مگر فرقہ بندی نے مذہبی قوتوں کی ہوا اکھاڑ دی ہے اور انہیں غیر مؤثر

ترکے کا حق ہے (قرار دادِ مقاصد اور 22 (وضاحتی) نکات کو اس طرح آئین میں دفن کیا گیا ہے۔ غضب خدا کا سودی لین دین کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنا ہے اور پاکستان میں یہ لین دین 62 سال سے زور و شور سے جاری ہے اور مذہب کے ٹھیکیدار مفتی حضرات خاموش بیٹھے ہیں۔ ذرا آواز نہیں نکالتے بروزِ حشر یہ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ یہ سب معلوم ہونے کے باوجود ہم نے کبھی تحقیق کر کے عوام کو جلسہ ہائے عام میں نہیں بتایا کہ ملک کی غربت، بے روزگاری، دہشت گردی اور تمام مصائب اور حکومت کی کشکول برداری ملک پر مسلط سودی نظام کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم نے تحریک چلائی اور تحریک چلاتے تو عوام ججوں کی بحالی کی تحریک سے زیادہ ان کا ساتھ دیتے اور عوامی تحریک کے سیلاب میں سودی نظام مالیات جھاگ کی طرح بہہ جاتا مگر ہمارے علماء نے کبھی بھی بینکنگ کے مضمرات پر کوئی تحقیق نہیں کی۔ کیا تو یہ کیا کہ اسلامی بینکنگ کے جواز ہونے کا فتویٰ دے دیا جس سے اسلامی بینکنگ کی ایک کھڑکی کھول کر سودی بینکنگ زور و شور سے چل رہی ہے اور پاکستان میں روز ایک نیا بینک معہ اسلامی بینکنگ کی کھڑکی کے کھل رہا ہے۔ سودی بینکنگ کے جواز ہونے کا فتویٰ دینا ایسا ہے جیسا تاڑی (تاڑ کے درخت سے نکلنے والا نشہ آور مشروب) پینے کے جواز ہونے کا فتویٰ دینا جبکہ شراب پینے سے بچنے کے لئے تاڑی پینے سے بچنا ضروری ہے یا جیسے زنا سے بچنے کے لئے سگریٹ سے بچنا ضروری ہے ورنہ ایک قدم اٹھا لینے کے بعد دوسرا قدم اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔ خود امریکہ والوں نے تحقیق کر کے دنیا پر یہودیوں کے قبضے کا سبب سودی نظام کو بتایا ہے اور آج جو معاشی بحران آ رہے ہیں وہ بھی اسی نظام کے سبب سے ہیں۔ یہ کتابیں نہیں پڑھی جاتیں۔ مفصل معلومات کے لئے صرف ایک کتاب "Pawns in the game" کا مطالعہ کریں جو امریکن William Guy Carr نے لکھی ہے۔

[illegible] معلومات دی گئی ہیں ان کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ مراعات

یہودیوں کو انگلستان کے ایک بادشاہ ولیم آف آرنج نے دی تھیں جسے انگلستان کا شہری نہ ہونے کے باوجود یہودیوں نے انگلستان کے تخت پر بٹھایا تھا۔ انہوں نے یہ مندرجہ ذیل مراعات بینکوں کو کیوں دی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے دوسرے عوام بھوکے مر رہے ہیں اور حکومت دنیا میں بھیک مانگتی پھر رہی ہے؟ جبکہ اتنی قدرتی وسائل، انسانی لیاقت، جغرافیائی محل وقوع کی بنیاد پر پاکستان کو دنیا کا امیر ترین ملک بنایا جا سکتا ہے۔

☆ ہم نے اپنی کرنسی کا مکمل کنٹرول بینکوں کے ہاتھ میں یوں دیا ہوا ہے کہ حکومت بھی اسے خرچ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی جبکہ بینک اسے سود پر چلاتے ہیں (IMF پاکستان کی معیشت کا گلا گھونٹنے کے لئے اس کی بھی مخالفت کرتی ہے کہ یہ کرنسی حکومت کو بطور سودی قرض بھی دی جائے)۔

☆ ہم نے عوام کے ڈیپازٹ کا 90% بینکوں کو سود پر چلانے کا اختیار کیوں دیا ہوا ہے۔

☆ ہم نے عوام کے Deposit سے دس گنا زیادہ کی پرائیویٹ کرنسی (مشہور کریڈٹ کارڈ، قرض کی چیک بک) بینکوں کو سود پر چلانے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

☆ ہم نے بینکوں کو کھاتے داروں (Depositors) اور قرضہ داروں سے من مانے Charjges وصول کرنے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

بینک کس طرح ملک کو لوٹ رہے ہیں اس کا پتہ اسمبلی میں پوچھے گئے صرف ایک (مندرجہ ذیل) سوال سے چل جائے گا

"یہ معلومات سٹیٹ بینک سے حاصل کر کے بتائی جائیں کہ بینکوں کے مالکان نے پاکستان میں اپنا بینک قائم کرنے میں اپنا کتنا سرمایہ لگایا اور انہیں ہر سال ٹیکس ادا کرنے سے پہلے اور بعد کتنا منافع ہوا؟ (آسانی کے لئے صرف پچھلے پانچ سال کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں)"

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ملک میں سودی کاروبار معہ اسلامی بینکنگ کو غیر قانونی قرار

اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے اور یہ امن و آشتی اور خوشحالی اور فارغ البالی کا گہوارہ بن جاتا ہے

ہے۔ ان سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدام اٹھائے ہوں گے

1. جب تک کوئی خزانہ قرار دینا ہوگا۔

2. ملک کو زرعی یا نقد فصلی مملکت بنانے کے لئے حکومت کو اس خزانے کو استعمال کرنے کا پورا

نیا دینا ہوگا۔

3. حکومت کو ٹیکس ختم کرنے ہوں گے کیونکہ وہ اپنا خرچ عوام کے خزانے سے پورا کرے گی

ہوگی۔

4. عوام کو اکاؤنٹ میں روپیہ رکھنے کی فری سہولت دینا ہوگی۔

(ستمبر 2009ء)

پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ

پانی انسانیت کی بقا کے لئے کتنا ناگزیر ہے اس کا اندازہ شاید پیاس سے مرنے والوں نے ضرور لگایا ہوگا کیونکہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اس موت کی شدت کو الفاظ میں بیان کر سکے، آپ نے افریقہ کے صحراؤں کی وہ تصاویر دیکھی ہوں گی جہاں ریت پر گرائے جانے والے کھئی کے دانے لوگ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے اکٹھے کرتے ہیں کہ اُن کی زمینیں پانی کی کمی سے بانجھ ہو چکی ہیں، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارا حال کیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بھارت نے پاکستان کو پانی سے محروم کر کے ایک ایسی جنگ کا آغاز کر دیا ہے جس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

قوم کو یاد ہی ہوگا کہ ہمارے صدر کے دورہ امریکہ میں من موہن سنگھ نے یہ کہہ کر ہم سب کا من موہ لیا تھا کہ ''سندھ طاس معاہدے پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے گا''۔ کیا ہوا، جو اس نے چناب کا پانی روکنے کے لئے غیر قانونی طور پر دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم تعمیر کر لیا ہے۔ دریائے سندھ کا 40 فیصد پانی ایک خفیہ سُرنگ کے ذریعے چوری کر کے دریائے برہم پترا میں ڈال رہا ہے اور اس سے بھی معاہدے کی روح پر بھلا کیا اثر پڑے گا کہ وہ دریائے سندھ کے

اور سندھ کی سوا کروڑ آبادی پانی کی کمی سے دوچار ہے۔ یہی صورت حال برقرار رہی تو خدانخواستہ خدشہ ہے کہ کہیں یہاں ایتھوپیا اور صومالیہ جیسے حالات پیدا نہ ہو جائیں اور شمالی دریاؤں کا رخ اندازی طرح ہماری انتہائی زرخیز زرعی زمینیں ایک دو سال میں ہی آباد نہ ہو جائیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سنگین صورت حال پر کوئی بات بھی نہیں کر رہا۔ پچھلی حکومت سے تو خیر کسی کو کوئی امید ہی نہیں تھی لیکن موجودہ حکومت ؟ ایک خاموشی ہے۔ اس بات کے جواب میں کیا اس مسئلے سے کرتا دھرتا اس خاموشی کا کوئی تسلی بخش جواز پیش کر سکتے ہیں؟

برصغیر کی تقسیم کے بعد دونوں ملکوں کے مابین 18 دسمبر 1947 کو ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے دونوں ممالک کے درمیان پانی کی تقسیم ملکوں کی تقسیم سے پہلے والی پوزیشن ہی پر رکھی تھی لیکن آٹھ ماہ سے بھی کم مدت کے اندر بھارت نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے آب پاشی کے لئے مخصوص ہر اس نہر کو بند کر دیا جو فیروز پور اور گورداس پور سے نکل کر دونوں ملکوں کی سرحد عبور کر رہی تھی۔ بھارت کی اس کارروائی کے باعث پاکستان کی گندم کی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ بھارت کا مطالبہ تھا کہ بھارتی پنجاب سے گزرنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کا حق تسلیم کرے اور ان کے پانی پر پاکستان (پنجاب) کے باشندوں کے حق اور حصے کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے برعکس پاکستان کا مطالبہ تھا کہ پانی کے استعمال یا کھپت کی موجودہ صورت حال جوں کی توں رہنے دی جائے، البتہ زائد پانی کو دونوں ممالک کے رقبے اور آبادی کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے اس مطالبے کو متعدد معاہدوں اور ملکوں کی حمایت حاصل تھی لیکن اپریل 1948 کو بھارت نے ایک بار پھر پاکستان کو دریاؤں کے پانی کی فراہمی روک کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی معاہدے اور اخلاقیات کو نہیں مانتا۔ اس آبی بحران سے نمٹنے کے لئے پاکستان کے ایک وزارتی وفد کو نئی دہلی کا ہنگامی دورہ کرنا پڑا اور پانی کی بحالی کے لئے بات چیت کرنا پڑی۔ ان مذاکرات میں بھارت نے اصرار کیا کہ مشرقی جانب سے آنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کی

اوپر کارگل کے مقام پر ایک بہت بڑا کارگل ڈیم بنا رہا ہے، جو دنیا کا تیسرا بڑا ڈیم ہوگا۔ جس کی قیمت کے بعد دریائے سندھ کی حیثیت ایک برساتی نالے سے زیادہ نہیں رہ جائے گی۔ بھارت دریائے سندھ میں گرنے والے ندی نالوں پر بھی 14 چھوٹے ڈیم بنا رہا ہے۔ اسی طرح جہلم سے ایک اور بگلیہار سے دو نہریں نکال کر راوی میں ڈالی جا رہی ہیں اور راوی کا پانی ستلج میں ڈال کر راجستھان لے جایا جا رہا ہے۔ جہلم پر 12 اور چناب پر مزید 20 چھوٹے ڈیم بنائے جانے کے منصوبوں پر بھی کام جاری ہے اور یہ تمام آبی تجاوزات ان دریاؤں پر ہو رہی ہیں، جو سندھ طاس معاہدے کے تحت پاکستان کے حصے میں آئے ہیں اور معاہدے کے مطابق ان دریاؤں کے پانی روکنے اور ان پر ڈیم بنانے کا بھارت کو کوئی حق نہیں ہے لیکن ظاہر ہے ان چھوٹی بڑی خلاف ورزیوں سے صرف نظر کرنے کی روش پر بھائی کا اثر پڑتا ہے، جب ہی تو حکومت اتنی مطمئن نظر آ رہی ہے۔ یہ "سرکاری خاموشی" بھارت کو مزید شہ دینے کے برابر ہے، جو ہمارے ملک کو دھیرے دھیرے صحرا بنانے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔

بھارت کی تاریخ عہد شکنی سے عبارت ہے، اس نے کبھی کسی معاہدے اور قانون کی پابندی نہیں کی۔ چاہے وہ مسئلہ کشمیر ہو، سرکریک تنازع ہو یا آبی مسائل، وہ ہر مسلح کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کا خواہش مند تو ضرور نظر آتا ہے لیکن برسوں کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ کسی بھی مسئلے کے حل میں تعطل پیدا کر دینے کا یہی بہترین ہتھکنڈا ہے، جسے بھارت مہارت سے استعمال کرتا ہے۔

یہ بات نہیں کہ بھارت کا جینا حرام کر دیا جائے؟ دریائے چناب کے پانی میں سے سات سے آٹھ ملین ایکڑ فٹ پانی بھارت روزانہ چوری کر رہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پنجاب کی اس [illegible] میں ریت اڑ رہی ہے۔ ساہیوال، اوکاڑہ، ملتان، ایسٹرن بار [illegible] پڑی نہیں تو دھول اڑ رہی ہیں۔ جون سے اب تک پنجاب

...یک کا حق تسلیم کرے۔ بھارت کا یہ مطالبہ سراسر غلط تھا، کیونکہ 1921ء کے بارسلونا کنونشن ...ملک کا، کسی بھی ملک کو ایسے دریاؤں کا پانی روکنے یا ان کا رخ ...کرنے کا قطعی کوئی حق حاصل نہیں، جو کسی ملک کی سرحد عبور کر کے پڑوسی ملک میں داخل ہوتے ...ہیں۔ مذکورہ کنونشن کے مطابق کسی ملک کو دریاؤں کے پانی کی اس حد تک اور اس طریقے سے ...استعمال کی بھارت بھی حامل نہیں کہ اس کے پڑوسی ملک کی زمینیں سیراب نہ ہو سکیں یا وہ پانی ...درست طور پر استعمال نہ کر سکے لیکن ہر قاعدے اور قانون سے خود کو ماورا سمجھنے والے

بھارت نے اس کنونشن کو بھی اپنی ٹھوکر پر رکھا۔ بھارتی رویے سے مجبور ہو کر پاکستان نے ...نی ...ات ...ف سے رجوع کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس دوران بھارت نے دریائے ...پر ...ئے میں فیروز پور سے آگے ہریکے کے مقام پر بیراج کی تعمیر شروع کر دی ...دوسری جانب پاکستان نے بھی کام شروع کر دیا۔ پاکستان کی ہر کوشش، ہر اعتراض اسنے مسترد کر دیا ...دریائے ...ت یک طرفہ طور پر آگے بڑھتے رہے، جس کے اس مسئلے سے لاکھوں لوگوں کی قسمت وابستہ تھی ...پاکستان نے ...ت کے ذریعے اس کا حل بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا لہٰذا امریکہ کے ایک مشہور ...ر ...ویلیا (جو 1957ء میں بند ہوا) نے ٹینیسی ویلی اتھارٹی کے سابق چیئرمین اور امریکی ...ف ...ی مشن کے چیف مین ڈیوڈ لی کو حقائق معلوم کرنے کی غرض سے بھارت اور پاکستان ...بھیجا۔ ان ...ں نے اس مسئلے پر ایک تفصیلی رپورٹ تیار کرنی تھی، جس کا مقصد مسئلہ کا ...قابل ...ل ...ی پیدا ...نے سلسلے وار آرٹیکلز کی صورت میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ...ٹ ...ل ...ے 4 ...ت 1951ء کے شمارے میں شائع ہوا، اس نے لکھا تھا ...ت ...ے ...ہ پاکستان ...پانی ...خرمی اور صحرا بنا دیے ان ...تھوں ...ے ...ں بھارت تصدیق کرے اور دونوں ...ں ...ن ...قانونی ...ر ...کر کام کریں۔ ...یڈ

...یجہ ...ام کی صورت میں دونوں ممالک ہی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ دریا (سندھ) دونوں ممالک کی سرحد کو خاطر میں نہیں لاتا اور نتیجہ، بھارت اور پاکستان سے گزرنے والے اپنے قدرتی راستے پر گامزن رہتا ہے۔ اس پورے نظام کو بطور ایک اکائی ترقی دی جانی چاہیے اور امریکہ کی سات ریاستوں کے TVA سسٹم کی طرح بطور ایک اکائی ہی چلایا بھی جانا چاہیے"۔

اس وقت کے عالمی بنک کے صدر یوجین آر بلیک نے ڈیوڈ لی کو تحریر کردہ آرٹیکلز پڑھے اور ان سے رابطہ کر کے پوچھا کہ بھارت اور پاکستان کے لئے ان کی تجاویز قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ ڈیوڈ لی سے مشورت کے بعد صدر عالمی بنک نے دونوں ممالک سے وزراء کے نام طلب کیے، اور دریائے سندھ کے پانی کے تنازع کے حل کے لئے مذاکرات کی غرض سے اپنے دفتر کی خدمات پیش کر دیں۔ یہ مذاکرات مئی 1952ء میں عالمی بنک کی نگرانی میں شروع ہوئے اور یہ تقریباً نو برس تک جاری رہے لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ 1957ء میں پاکستان نے یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں لے جانے کا فیصلہ کیا، اسے یقین تھا کہ اسے انصاف مل جائے گا لیکن اس سے فوراً بعد ایوب خان تشریف لے آئے اور آتے ہی مذاکرات میں مصروف پاکستانی وفد کو حکم دیا کہ وہ بنک کی تجاویز غیر مشروط طور پر مان لیں۔ اختلاف رکھنے والے وفد کو مذاکرات سے نکال دیا گیا اور تین دریا یعنی 30 ملین ایکڑ فٹ قدرت کا عظیم تحفہ بالآخر بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں بھارتی صحافی کلدیپ نائر کی گواہی موجود ہے، ان کے الفاظ میں "1951ء میں جب پاکستان سلامتی کونسل میں جا رہا تھا تو امریکی رضامندی سے معاملہ ورلڈ بنک کو منتقل کر دیا گیا"۔

اس معاہدے کے تحت مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کے پانی پر پاکستان کو حق دار ٹھہرایا گیا اور دیگر تین مشرقی دریا (راوی، ستلج اور بیاس) بھارت کے حوالے کر دیئے۔ یہ معاہدہ، جسے انڈس واٹر ٹریٹی (سندھ طاس معاہدہ) کا نام دیا گیا اس پر 19 ستمبر 1960ء کو بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو، اس وقت کے پاکستانی حکومت کے سربراہ صدر ایوب خان اور اس وقت کے صدر

ی بنک نے دستخط کئے۔ اس معاہدے کا مقصد 365,000 مربع میل کے علاقے کو سندھ طاس میں واقع دونوں ممالک کے درمیان تقسیم کرکے دونوں ممالک کو اپنی اپنی سرحدوں کے اندر پانی کے قدرتی وسیلے کو محفوظ کرنا اس کا اطلاق مرکز تھا۔ یہ معاہدہ یکم اپریل 1960ء سے موثر ہوا۔ اس معاہدے کی شق میں یہ واضح ہے کہ مشرقی دریاؤں کے تمام تر پانی پر بھارت اور مغربی دریاؤں کے پانی پر مکمل طور پر پاکستان کا حق ہوگا۔ پاکستان میں داخل ہونے والے تمام دریاؤں کے پانی اور ان دریاؤں کے پانی پر، جو اپنی قدرتی گزرگاہ سے ہوتے ہوئے مرکزی شکل اور مرکزی رواں میں ضم ہو جاتے ہیں، پاکستان میں داخل ہونے کے بعد پاکستان کا حق ہوگا اور بھارت کسی بھی طرح ان کا بہاؤ روکنے کا مجاز نہیں ہے لیکن سانحہ سانحہ تاریخ گواہ ہے کہ بھارت نے کبھی کسی معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اب حالیہ آبی جارحیت دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس کے لئے سندھ طاس معاہدہ کاغذ کے کسی بے کار پرزے سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ سمجھنا بھی انتہائی خوش فہمی ہوگی کہ دوطرفہ بات چیت سے قائل ہو کر اپنے کروڑوں ڈالر کے منصوبوں سے دست بردار ہو جائے گا۔ بھارت نے ان تین دریاؤں کا پانی استعمال کر کے اپنے صحرا کو جنت نگزار بنایا ہے لیکن ہم ایسا نہ کر سکے۔ جب بھی کسی ڈیم کی تعمیر کی بات ہوتی ہے تو سیاسی اور جغرافیائی مفاد کے تحفظ کا واویلا مچا دیتے ہیں کہ پورے ملک میں افراتفری پھیل جاتی ہے۔ ہماری اس ذہنیت کو دیکھتے ہوئے بھارتی وزیراعظم واجپائی نے 2001ء میں اپنے یہ الفاظ میں واشنگٹن پوسٹ میں کہا کہ "بھارت پیاس سے مر رہا ہے اور پانی کا ایک ایک قطرہ اس کی ضرورت ہے جبکہ پڑوسی ملک پاکستان 35 ملین ایکڑ فٹ پانی ضائع کر رہا ہے تاکہ فصلیں بچا سکیں"۔ 2003ء میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس ہوئی تھی، جس کا موضوع [illegible] تھا، یعنی اگر ریکارڈ اکٹھا کر دیا جائے تو موضوع صرف اور صرف [illegible] پنجاب تک محدود رہا۔ کانفرنس میں بھارتی وفد نے ہماری اسی نالائقی کو زیر

بحث لاتے ہوئے ایک تجویز پیش کی تھی کہ پاکستان اب تک اپنے حصے کا پانی استعمال نہیں کر سکا ہے اور رہا ہے لہٰذا اس پانی کو مشترکہ بنیادوں پر استعمال کرنے کی غرض سے سندھ طاس معاہدہ میں ترمیم کی جائے۔ پاکستان کی جانب سے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی گئی۔ وہ بھی نہ تو بھارتی اور نہ ہی عالمی اقتصادی ماہرین کی یہ رائے قبول کرنے کو تیار تھے جس طرح بھارت سے بہا کر جانے والے پانی کے جواب میں خاموشی اختیار کی، یہ خود قومی جرم کا ایک جرم بھی ہو سکتی ہے۔ ایوب آمر نے معاہدے کے تحت تین دریا بیچ ڈالے تھے، یحییٰ آمر نے آدھا تو ذوالفقار علی بھٹو نے باقی معاہدے سے تین دریا بیچ دیئے۔

پاکستان اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ شہری علاقوں میں رہنے والے آگ اور خون کا کھیل ہمارے چاروں صوبوں کے گلی محلوں اور بستیوں تک آ پہنچا ہے۔ دوسروں کی جنگ لڑتے لڑتے ہم خود حالت جنگ میں آ چکے ہیں، جمہوریت کے ایک سال بعد بڑے دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے کہ قیمتی انسانی جانوں اور املاک کے ساتھ ساتھ قوم کے وہ خواب بھی جل کر راکھ ہو گئے، جو سہانے کروڑ آنکھوں نے جمہوریت کی آمد پر امن، انصاف، استحکام اور تعمیر نو کے لئے دیکھے تھے۔ 2001ء میں ٹائن ایلون کے بعد جو غلطیوں کے بیج ہم نے بوئے، وہ ان آٹھ برسوں میں بار آور ہوئے اور ایسے ہوئے کہ آج یہ فصل خودکش حملوں کی صورت میں وطن کا بچہ بچہ کاٹ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہم یقیناً کسی نئی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن کیا ہم اپنے حق کے لئے آواز بھی بلند نہیں کر سکتے؟ دوستی، مفاہمت اور مصالحت کی پالیسی یقیناً بہتر ہے لیکن کس قیمت پر؟ کیا ملک و قوم کی قیمت پر؟ اپنے مستقبل کی قیمت پر؟ اور کیا یکطرفہ ایسی کسی پالیسی سے ہمارا بھلا ہو سکتا ہے۔ جیسے دوسرا فریق اپنی ٹھوکر پر رکھے اور اسے ہماری کمزوری سمجھے۔ نہیں، اپنی بقا کے لئے ہمیں اس حوالے سے ایک واضح پالیسی بنانی ہوگی، اس مسئلے کو ہر بین الاقوامی فورم پر اٹھانا ہوگا، عالمی عدالت انصاف میں بھارت کی اس کھلی آبی جارحیت کو چیلنج کرنا ہوگا۔ عالمی بنک سندھ طاس

معاملے کا ضامن ہے۔ اس کے آگے اس مسئلے کو اٹھانا ہوگا اور اسے اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی صفوں میں موجود بھارتی مفادات کے لئے سرگرم ملک دشمن عناصر کو بے نقاب کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ سندھ طاس واٹر کونسل کے چیئرمین ظہور الحسن ڈاہر کے ایک اخباری انٹرویو کے مطابق "پاکستان کی انٹیلیجنس میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو بھارت کے مفادات کے لئے ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محکمہ آبپاشی کے دو اعلیٰ افسران ایسے بھی ہیں، جو دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ چناب کا معاملہ قومی سطح پر نہ اٹھایا جائے اور وہ اس مقصد کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ ہم ان تمام لوگوں سے، جنہیں کالا باغ ڈیم پر تحفظات ہیں، بہت ادب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا بھارت کی آبی جارحیت ان کے لئے قابل قبول ہے؟ کالا باغ ڈیم کو نہ قبول کرنے والوں کے لئے کیا کارگل ڈیم قابل قبول ہے؟ ہزاروں ایکڑ پر مشتمل انڈس ڈیلٹا، جو پہلے ہی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے، کیا اس سے یہ جنگ ہار نہیں جائے گا؟ ہزاروں ماہی گیر بے سروسامانی بھٹکنے پر مجبور نہیں ہوں گے؟ ساحلی حیات برباد ہو جائے گی اور پاکستان سمندری حیات سے، جو کثیر زرمبادلہ حاصل کرتا ہے اس سے محروم ہو جائے گا۔ کیا یہ بھی کسی تنظیموں کا مسئلہ نہیں ہے؟ کیا یہ انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی نہیں اور اگر ہے تو اس کے خلاف آواز بلند کرنے والی ملکی اور غیر ملکی تنظیمیں کہاں ہیں؟ ماحول اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی تنظیمیں اور جنگلی حیات کے محافظ کہاں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ جاگیے خدا کے لئے جاگ جائیے!

[illegible] وقت بہت کم ہے، صرف آٹھ سال ہیں، بھارت 2016ء میں اپنا [illegible] مکمل کر لے گا، جو اس نے گذشتہ حکومت کی خاموش حمایت سے شروع کیا [illegible] منصوبے کے تحت بھارت اپنے [illegible] دریاؤں کا باہم رابطہ نہروں سے مکمل کرے گا۔ [illegible] ہوں کا [illegible] تبدیل نہیں ہوسکے گا۔ اس منصوبے سے اس کی 360

میں ایکڑ زمین آباد ہوگی اور 30 ہزار میگاواٹ بجلی دستیاب ہوگی۔ وہ تو سرسبز اور گل و گلزار ہو جائے گا لیکن ہمارے ملک میں ریت اڑنے لگے گی۔ اس منصوبے پر بنگلہ دیش نے بھی اپنے سے ذرا چھوٹے پیمانے پر بنگلہ دیش قرار دیا ہے۔ اگر بھارت نے گنگا دریا کے پانی سے بھی بھارت اسی طرح استفادہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جس طرح وہ چناب سے کر رہا ہے تو بنگلہ دیش سے مل کر کوئی راہ نکال سکتے ہیں اور بین الاقوامی فورمز پر احتجاج بھی کر سکتے ہیں۔ ایسے میں صدیوں پرانے ان گلوبل مسئلے میں جنگ کے علاوہ بھی بہت سے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں اور اگر ہم نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں تو پھر ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے قحط اور افلاس کے سوا کچھ نہیں چھوڑیں گے۔ آج یہ مسئلہ جنگ سے بغیر حل ہو سکتا ہے، بہت سے دوسرے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں لیکن اگر ہم نے دیر کر دی تو پھر یہ راستہ بند ہوتا چلا جائے گا۔

(ستمبر 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

حامد
اردو فینز
کیلئے

600ارب روپے کے نئے ٹیکس

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کہ کسی خفیہ تھنک ٹینک کو پاکستان دشمن ایجنسیوں نے یہ ذمہ داری سونپ رکھی ہے کہ وہ ہفتہ وار دن کے بعد پاکستانی عوام کے سر پر کوئی نہ کوئی اعصاب شکن ہتھوڑا ضرور چلا دیا کرے۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک بھر میں بجلی، آٹا اور چینی کے بعد اب دودھ کا بھی بحران پیدا ہو گیا ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد سمیت کئی شہروں میں دودھ اور دہی کی قیمتوں میں غیر اعلانیہ اور خود ساختہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب دودھ 50 سے 55 روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کیا جا رہا ہے جبکہ دہی کی قیمتوں میں بھی 10 روپے فی کلو اضافہ کر دیا گیا ہے جبکہ دودھ کی پیکنگ کا ڈبہ 53 روپے فی لیٹر کی بجائے 58 روپے اور 60 روپے فی لیٹر مل رہا ہے۔ ادھر وفاقی انتظامیہ نے بھی اس خود ساختہ اضافے پر چپ سادھ لی ہے اور اضافے کو روکنے کے لیے کوئی حکمت عملی وضع نہیں کی گئی جس کی وجہ سے عوام کی پریشانی مسلسل بڑھتی جا رہی ہے جبکہ کہیں بھی دودھ اور دہی کی [illegible] باقاعدہ ریٹ لسٹ آویزاں نہیں ہے۔ ایک خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق [illegible] فی لیٹر دودھ پر 15 روپے منافع کما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے [illegible] شہریوں میں [illegible] کی جانب سے دہی 68 روپے فی کلو کے حساب سے

فروخت کیا جا رہا ہے۔ اس طرح فی کلو پر 47 فیصد یعنی 20 روپے منافع حاصل کیا جا رہا ہے۔ شہری حکومت کی جانب سے دودھ کی فی لیٹر قیمت 38 روپے مقرر کی گئی تھی لیکن حکومت کو اشیاء کی قیمتوں میں تعین میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یاد رہے کہ ملک میں آٹے اور چینی کی قلت اور مہنگائی بھی بدستور جاری ہے۔ متوقع اطلاعات کے باوجود لاہور شہر میں کئی بازاروں سے چینی اور آٹا غائب ہے اور چینی کی قیمت 45 روپے سے 50 روپے فی کلو تک رہی۔ کراچی جیسے میں بھی متوقع اطلاعات کے باوجود وہاں بھی سرکاری ریٹ پر چینی دستیاب نہیں۔ 45 روپے سرکاری نرخ ہونے کے باوجود ہوا ہے۔ 50 روپے میں چینی مل رہی ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث چینی اور آٹا عوام کی قوت خرید سے باہر ہو گئے ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی میں بجلی کا بحران ابھی زوروں پر ہے۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی لینڈ مارکیٹ رمضان کے دوران شہر میں بجلی کی طلب اور رسد پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے۔ مختلف پاور اسٹیشنوں میں یونٹوں کی خرابی اور گل احمد پاور پلانٹ سے بجلی کی معطلی کے بعد بجلی کی طلب اور رسد کا فرق 500 میگاواٹ تک جا پہنچا ہے۔ جس کے بعد کراچی کے عوام ہر ایک گھنٹے بعد ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ برداشت کرنے پر مجبور ہیں جبکہ کے ای ایس سی حکام کا دعویٰ ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ صرف 6 گھنٹے جبکہ طلب اور رسد میں فرق ڈھائی سو میگاواٹ ہے۔ کے ایس سی بجلی کی فراہمی کی صورت حال بہتر بنانے کی بجائے نرخوں میں اضافے کے لئے سرگرم ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق کراچی میں بجلی کی فراہمی میں بری طرح ناکام ہونے والے اس ادارے نے بجلی کی نرخوں میں ایک روپیہ فی یونٹ اضافے کے ساتھ صنعتی صارفین کی سکیورٹی ڈیپازٹ فیس 1500 روپے سے بڑھا کے 8000 روپے کرنے کی تجویز پیش کر دی ہے۔

اس پس منظر میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وطن عزیز پاکستان اس وقت زبردست داخلی

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم

محترمہ فوزیہ وہاب جو اچانک ٹیلیشن میں آ جانے سے ہوا لے سے اب خاصی شہرت کی حامل ہیں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ بابت پاکستان پر خوب گرجی اور برسی ہیں آپ کا کہنا تھا کہ ہمیں اس مرحلے پر کہ جب "فینڈز آف پاکستان" ہمارے لئے اپنے خفیہ خزانوں کے منہ کھولنے والے ہیں اس رپورٹ کا اجراء پاکستان کے خلاف سازش ہے۔ جس پر انہوں نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے خوب لتے لئے اور فرمایا کہ جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آتی ہے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ آپ پیپلز پارٹی سیکریٹری اطلاعات ہیں اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے آپ نے یہ نیا فقرہ ایجاد کیا ہے اور موقعہ بے موقعہ اس کے استعمال سے نہیں چوکتیں اکثر چینلز پر دوران گفتگو اچانک آپ فرما دیتی ہیں "جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آئے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

محترمہ فوزیہ وہاب کو کم از کم یہ داد ضرور دینا چاہیے کہ آپ نے گزشتہ قریباً سوا سال سے پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی طرف سے مسلسل دہرائے جانے والا یہ فقرہ "ہمارے کارکنوں کی قربانیاں ہم سے زیادہ قربانیاں کس نے دی ہیں" وغیرہ وغیرہ میں ایک نئے فقرے کا اضافہ ضرور فرما دیا۔ قبل

(اکتوبر 2009ء)

اس کے کہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے متعلق محترمہ کے ارشادات پر تبصرہ کیا جائے۔ ایک نظر اس رپورٹ کا جائزہ لینا ضروری ہے جس نے محترمہ فوزیہ وہاب کو اس پریس کانفرنس پر مجبور کیا۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے جاری کی جانے والی گلوبل کرپشن رپورٹ برائے 2009ء میں عالمی ادارے نے پاکستان کی شکل دنیا کے انتہائی بدعنوان ملک کے طور پر پیش کی ہے۔ سالانہ رپورٹ جاری کرتے ہوئے عالمی ادارے کے پاکستان کیلئے سربراہ عادل گیلانی نے کہا کہ چونکہ جنرل پرویز مشرف نے اقوام متحدہ کے کنونشن برائے انسداد کرپشن کی منظوری کے محض 56 روز بعد یعنی 5 اکتوبر 2007ء کو قومی مصالحتی آرڈیننس جاری کر دیا، پاکستان میں بدعنوانی کے انسداد کی کوششیں اثر انداز ہوئیں۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے رپورٹ جاری کرنے کیلئے جس وقت کا انتخاب کیا گیا تھا وہ صدر آصف علی زرداری کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ عالمی سطح پر ان کی حکومت کی ساکھ پر پہلے ہی سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔ صدر محترم اور ان کے کئی اہم ترین ساتھیوں کا ماضی کرپشن کے الزامات کی وجہ سے داغ دار ہے۔ وزیر خزانہ شوکت ترین نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کا سب ولیجہ نرم کرانے کیلئے کوششیں کیں اور کہا کہ نیویارک میں امریکی حکام کے ساتھ ان کے مذاکرات میں امریکہ کی جانب سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ امداد بڑھانے دو تہائی حصہ حکومت پاکستان کے ذریعے سے چینل کیا جائے گا لیکن تاحال یہ واضح نہیں ہے کہ امریکی کانگریس اس بات کی اجازت دے گی یا نہیں۔ نیویارک اور اسلام آباد میں جاری کئے گئے پریس ریلیز کے مطابق ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے چیئرمین سید عادل گیلانی نے کہا کہ این آر او کی وجہ سے ارڈیننس میں مزید تحفظ دیا گیا ہے کیونکہ خصوصی پارلیمانی کمیٹیوں برائے احتساب کی تجاویز پر غور کرنے سے پہلے کسی بھی صوبائی قومی رکن اسمبلی کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پارلیمانی کمیٹیاں تاحال تشکیل نہیں دی گئیں۔ مسٹر گیلانی نے مزید کہا کہ این آر او کے علاوہ موجودہ حکومت سے عالمی برادری کو یہ بنیادی توقعیت سے اشارے دیئے ہیں کہ آئندہ تین سال کے

دوران کسی کا احتساب نہیں ہوگا تو کرپشن کوئی جرم نہیں ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ "جن کے پاس نیب آرڈیننس کی چھتری ہے، وہ تو کرپشن کوئی جرم نہیں ہے۔ پر حکومت کا تیار کردہ پبلک آفس ایکٹ 2009ء کا مسودہ جس پر قومی اسمبلی نظر ثانی کر رہی ہے، وہ جو ہے، وہ اکتوبر 2010ء تک سب کو کرپشن سے تحفظ فراہم کرتا ہے اور یہ حیرانگی کی بات ہے۔" رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "جس ملک میں کرپشن کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں وہ آخر یہ امید کس طرح کر سکتا ہے کہ عالمی برادری آگے بڑھ کر پاکستان کی اس کے مالی بحران میں مدد کرے گی۔

پاکستان میں کرپشن ایک سنجیدہ مسئلہ ہے اور یہ وقت حال ہی میں کی جانے والی تحقیق اور رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد اختیار کیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان کی درخواست پر پاکستان کے بنیادی ڈھانچے کے متعلق پیش رفت کی گنجائش کی اسسمنٹ کی گئی اور نومبر 2007ء میں اس حوالے سے ورلڈ بینک اور پلاننگ کمیشن آف پاکستان نے مل کر رپورٹ جاری کی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ 15 فیصد کرپشن پروکیورمنٹ میں پائی جاتی ہے جس سے پاکستان کے ترقیاتی بجٹ میں 150 ارب روپے کا نقصان ہوا۔ مزید برآں، ورلڈ بینک کے کرپشن انڈیکیٹر برائے 2007ء میں پاکستان کو 100 میں سے 21.3 نمبر ملے۔ عالمی مسابقتی رپورٹ برائے 09-2008ء میں پاکستان کو 130 ممالک میں سے 101 واں نمبر دیا گیا اور یہ طے پایا گیا کہ جواب دہندگان نے حکومتی عدم استحکام کے بعد کرپشن کو ملک میں بزنس کے حوالے سے دوسرا بڑا پریشان کن مسئلہ قرار دیا۔ پرائیویٹ سیکٹر میں بڑھتی کرپشن کے ایک عنصر کی حیثیت سے پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پرویز مشرف کی جانب سے کرپشن کے خاتمے کے عزم اور دعوؤں کے باوجود اس مسئلے سے نمٹنے کیلئے بہت کم ہی پیش رفت ہو پائی ہے اور اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کرپشن کا اثر پھیل چکا ہے اور سرایت کر چکا ہے۔ پرویز مشرف نے نومبر 2007ء میں فوجی قیادت چھوڑی اور ان کے حامیوں کو 2008ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ

(ن) کے اتحاد نے شکست فاش سے دوچار کیا۔ رپورٹ کے مطابق پرویز مشرف نے اگست 2008ء میں استعفیٰ دیا۔ انہیں آئین کی خلاف ورزی، بے ضابطگیوں اور سنگین جرائم کے حوالے سے مواخذے کا سامنا تھا۔ قانونی اور اداراتی تبدیلیوں کے حوالے سے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے عالمی ادارے کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ الیکشن کمیشن شفاف انداز میں انتخابات کا انعقاد کرے گی لیکن 2007ء میں شوکت عزیز کی ملک سے روانگی کے بعد ان وعدوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔ 2008ء میں گمران حکومت کے دور میں پروکیورمنٹ ریگولیٹری اتھارٹی کے معاملات پر بھی عمل نہ ہوا۔ اقوام متحدہ میں کرپشن کے انسداد کے کنونشن کی منظوری کے محض 56 دن بعد پرویز مشرف نے این آر او جاری کر دیا جو پاکستان میں بدعنوانی کے خاتمے کی کوششوں کیلئے زبردست دھچکا تھا کیونکہ نیب کی جانب سے 12 اکتوبر 1999ء کے پہلے سے شروع کیے گئے کرپشن کے تمام مقدمات ختم کر دیئے گئے۔

یہ ہے وہ رپورٹ جس پر محترمہ فوزیہ وہاب ناراض ہو رہی تھیں اور شنید ہے کہ آجکل پاکستان میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے لوگوں پر کڑا وقت آیا ہوا ہے۔ محترمہ کا غصہ بجا لیکن وہ کس کس پر سازش کا الزام لگائیں گی۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ پاکستان میں بجلی کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ بجلی کی قیمت میں اضافے سے سرمایہ کاری اور سبسڈی میں کمی ہوگی جس سے معیشت پر بوجھ کم ہوگا۔ رپورٹ کے مطابق معیشت کی شرح نمو میں کمی کی اہم وجہ توانائی کا بحران ہے۔ پاکستان کو معاشی میدان میں [illegible] کا سامنا ہے۔ آئی ایم ایف کے مطابق حکومت کو اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا ہوگا تاکہ بجلی کی قیمت اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد ہو سکے۔ اس کے علاوہ برآمدات میں [illegible] کیلئے بھی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ مارچ

2010ء تک پاکستان کی اقتصادی شرح افزائش 3 سے 4 فیصد رہے گی۔ جنوبی ایشیائی ممالک کی معیشتوں سے متعلق ایشیائی ترقیاتی بینک نے معاشی اہداف جاری کر دیئے جس میں سال 2008ء سے اور 2010ء تک اہداف مقرر کیے گئے۔

اس طرح کی رپورٹوں کا اس تواتر کے ساتھ یہ بے بنیاد پراپیگنڈا اور اباغ کے دوسرے ذرائع سے آنا ایک معمول بن گیا ہے۔ ذرا محسوس ہو رہا ہے کہ معیشت کی ابتری کی یہ صورت حال یونہی جاری رہی تو چند ہی سالوں میں پاکستان کی حالت اس مقام تک نہ پہنچے جس کے بعد انتہائے زوال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال ان امپورٹڈ معاشی جادوگروں کے لیے تو کوئی پریشان کن نہیں کہ دراصل یہ وہ سنڈیاں ہیں جو ہمارے کھیت کھلیانوں کو خبر کر دینے کے لیے یہاں پلانٹ کیے گئے ہیں اور جو اپنا کام کر کے واپس وہیں پلٹ جائیں گے جہاں سے بھیجے گئے تھے مگر عوامی حکومت کے بڑوں کو جنہیں اگلے انتخابات میں دوبارہ عوام کے سامنے جانا ہے، اس صورت حال پر ضرور غور کرنا چاہیے اور قومی معیشت کے استحکام کے لیے ٹھوس بنیادوں پر اقدامات کرنے چاہئیں۔

محترمہ فوزیہ وہاب صاحبہ نے جو پریس کانفرنس بابت ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ایک خاص اخبار فرمائی تھی اس کا جواب محترم انصار عباسی کی طرف سے روزنامہ جنگ مورخہ 28 ستمبر 2009ء شائع ہوا ہے جو بلاتبصرہ پیش ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس خبر پر اور کیا کہیں گے۔ اس کا عنوان ہے "ملک دشمن کون؟" ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی سیکرٹری اطلاعات فوزیہ وہاب صاحبہ نے نام لئے بغیر مجھ پر اور میرے اخبار پر ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کی خبر شائع کرنے پر ملک دشمنی کا فتویٰ لگا دیا۔ اگرچہ فوزیہ وہاب صاحبہ کو یا ان کے آئے روز دیئے گئے چونکا دینے والے بیانات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا جانا چاہیے مگر جس انداز میں باقاعدہ ایک پریس کانفرنس بلا کر ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل

غصہ بہر پر نکالا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوزیہ وہاب کے اس فتوی کے پیچھے پاکستان پیپلز پارٹی
کی اعلیٰ قیادت کی سوچ بھی شامل تھی جس کا جواب دینا لازم ہے۔ اگر کسی ٹی وی ٹاک شو یا اخبار
نویسوں سے کسی غیر رسمی بات چیت کے دوران پی پی پی کی سیکرٹری اطلاعات ہمیں ملک دشمن قرار
دے دیتیں تو ہم ان کے کچے کو ای طرح سنی ان سنی کر دیتے جیسا پچھلے دنوں ان کے اس بیان کو نظر
انداز کیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے ایسا کون سا جرم کیا کہ ان پر
حکومت Tnal کرے۔ گویا کہ 3 نومبر 2007ء کو جس طرح آئین کی دھجیاں ازائی گئیں اور
سانحے سے زائد اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو نکال کر ان کو ان کے گھروں میں نظر بند کیا گیا، کوئی جرم ہی نہ
تھا۔ کسی نے بھی یہ شاید سوچا نہ تھا کہ NRO کے احسان کا بدلہ ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز
پارٹی آج اس طرح دے گی کہ وہ آئین شکن جنرل مشرف کی سب سے بڑی محافظ بن بیٹھے گی۔
صدر آصف علی زرداری نے تو ذیل کا ذکر کر کے اپنی اس مجبوری کا برملا اظہار کر دیا جو ان کے راستہ
میں مشرف کو آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت مقدمہ درج کرنے کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے مگر
فوزیہ صاحبہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مشرف نے ایسا کیا کیا کہ ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم
کیا جائے۔ مجھے تب اس بات پر ہوا کہ جنرل مشرف کے ان گنت جرائم پر پردہ ڈالنے والوں اور
ان کا تحفظ کرنے والوں کو میڈیا اس لئے ملک دشمن نظر آنے لگا کیونکہ اس نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل
کی رپورٹ شائع کی جو حکمرانوں کو ناگوار گزری۔ غصہ اس بات کا کہ اس بین الاقوامی تنظیم میں
حکومت پاکستان کے بارے میں انتہائی منفی رپورٹ ایسے وقت میں کیوں جاری کر دی۔ جب
صدر زرداری اپنی ٹیم کے ہمراہ امریکہ میں پاکستان کے لئے "دوست ممالک" کی امداد کے منتظر
تھے۔ ہم پر واضح کیا گیا کہ ہم نے 23 ستمبر کو جاری کی گئی ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کو
[illegible] جنگ میں کیوں شائع کیا۔ باوجود اس کے کہ ہم نے اس رپورٹ کو شائع
[illegible] خصوصاً نوٹ کروایا کہ ٹرانسپرنسی نے اپنی رپورٹ کو ایسے وقت میں جاری

کیا جب پاکستان کی اعلیٰ قیادت امریکہ میں "دوست ممالک" کے ساتھ امداد کے حصول کے لئے
مذاکرات کر رہی ہے مگر پھر بھی فوزیہ وہاب صاحبہ اور ان کی پارٹی کے لئے ہم "ملک دشمن"
ٹھہرے۔ ہر حکومت یہاں میڈیا سے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی ہے۔ پیغام پسند نہ آئے تو پیغام
رساں کو یہاں نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ اپنی شکل آئینہ میں اچھی نہ لگے تو آئینہ ہی توڑنے کی بات کی
جاتی ہے۔ فوزیہ صاحبہ کے مزاج گرامی کو اگر ناگوار نہ گزرے تو کیا وہ اس بات کا جواب دے سکتی
ہیں کہ اگر ایک اخبار کا ایک بین الاقوامی ادارے کی رپورٹ جس میں موجودہ حکومت کے دور میں
ملک میں کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق سنگین حالات کا ذکر کیا گیا، شائع کرنا ملک دشمنی ہے تو کیا
جنرل مشرف دور میں بے نظیر بھٹو صاحبہ کی طرف سے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے یہ مطالبہ کرنا
کہ وہ پاکستان کو امداد نہ دیں بھی ملک دشمنی تھی۔ ہمیں ملک دشمن کہنے والے کیا بتا سکتے ہیں کہ بے
نظیر بھٹو صاحبہ کا 2007ء میں امریکی میڈیا کو یہ کہنا کہ اگر وہ برسر اقتدار آئیں تو وہ بین الاقوامی
ایٹمی ادارہ (IAEA) کو اجازت دیں گی کہ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی پوچھ گچھ کر سکیں آیا پاکستان کی
خدمت تھی۔ آج ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کو ہدف تنقید بنانے والے ذرا ماضی قریب میں جا کر دیکھیں
کہ مشرف دور میں کرپشن پر اسی بین الاقوامی ادارے کی رپورٹوں پر کون کون سی سیاسی جماعتیں
اور ان کے لیڈر اپنی سیاست چمکاتے تھے۔ بلاشبہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی 23 ستمبر 2009ء کی
رپورٹ جو ایک ساتھ پاکستان اور امریکہ میں جاری ہوئی اپنی Timing کی وجہ سے معنی خیز تھی
جیسا کہ دی نیوز اور جنگ کی خبر میں کہا گیا مگر سچ پوچھیں تو اس رپورٹ میں پاکستان میں کرپشن اور
بدعنوانی کے بارے میں جو کہا گیا وہ شاید زیادہ غلط نہ تھا۔ اس حقیقت کو کون روک سکتا ہے کہ مشرف
دور میں پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کے خلاف کرپشن کے مقدمات کے خاتمے کے لئے
NRO کے نفاذ سے اس ملک میں احتساب کا عمل نہ صرف رک گیا بلکہ مکمل طور پر Reverse
ہو گیا۔ کیا ایسا کرنا ملک دشمنی نہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ NRO کے آنے کے بعد اور خصوصاً

غلط زرعی پالیسیاں

زراعت پر مبنی معیشت کے باوجود پاکستان کو بنیادی غذائی اشیاء کی قلت کا سامنا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے ملک ماسوائے چند مختصر وقفوں کے، گندم اور آٹے کے بحران میں مبتلا ہے۔ حکومت یقین دہانی کرا رہی ہے کہ فلور ملوں کو گندم ان کے کوٹے کے مطابق فراہم کی جا رہی ہے۔ مگر اس کے باوجود آٹے کی قیمتوں میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے اور نہ ہی حکومت کی جانب سے اس کے نرخ مقرر کیے جا رہے ہیں۔ سرکاری نرخوں پر دستیاب گندم غیر معیاری ہے آٹے کی قیمتوں میں کمی خواب و خیال بن کر رہ گئی ہے۔

ملک میں غذائی بحران کا سبب جامع منصوبہ اور قابل عمل زرعی پالیسی کا فقدان ہے۔ آزادی کے بعد سے ملک میں 2 بار اہم زرعی اصلاحات کی گئیں۔ پہلی نمایاں زرعی اصلاحات 1959ء میں جبکہ دوسری 1972ء میں کی گئیں۔ دونوں زرعی اصلاحات کا فائدہ زمینداروں اور جاگیرداروں کو حاصل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ملک میں جو لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے بڑی تعداد کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ ناقص اور انحطاط سے پر پالیسی تیار کرنے کے سبب ملک کو حالیہ غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کو ان 32 ممالک کے گروپ میں شامل کیا گیا

موجودہ دور حکومت میں نیب کو مکمل طور پر بے اثر اور بے زور کر دیا گیا ہے اور عملی طور پر یہ ادارہ Redundant ہو چکا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ موجودہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا یہ احتساب قانون دراصل سیاستدانوں اور ان کی کرپشن کو قانونی تحفظ اور ان کے بچاؤ کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں پہلے ہی میڈیا میں کافی کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ ایسا کرنا ملک کی کون سی خدمت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ موجودہ دور حکومت میں کرپشن کا بازار ہر طرف گرم ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آئے دن اخبارات اور نجی ٹیلی ویژن چینلز پر کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ گزشتہ سال سے کشکول توڑنے والے حکمرانوں کو دنیا کا کوئی ملک حتیٰ کہ اپنے دوست ممالک کیش پیسہ دینے سے گریزاں ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ امداد دینے والے تمام ممالک یا تو صرف ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے پیسہ دینے پر تیار ہیں یا امریکہ کی طرح خود مختلف پراجیکٹس کے لئے NGO's کے ذریعے یہاں پیسہ لگانا چاہتے ہیں۔ موجودہ حکومت پر دوست ممالک کی یہ بداعتمادی کیوں؟ ذرا سوچئے!

(نومبر 2009ء)

ہے۔ جس شدید غذائی قلت کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر ان ممالک کی زرعی پالیسیاں تبدیل نہ ہوئیں تو یہاں کے عوام کو شدید اقتصادی اور سماجی بے چینی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جو غذائی ذخائر اور سٹوریج کی سہولتیں پر موجود ہیں کے مسائل کا سبب بن سکتی ہے۔

پاکستان کو گزشتہ 2 سال سے گندم اور آٹے کے شدید بحران کا سامنا ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی سطح پر قیمتوں میں اضافے اور گندم کی قلت کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مگر پاکستان میں گندم کے بحران کا سبب مختلف ہے۔

اپنی آبادی کے حساب سے پاکستان کو ہر سال تخمینی طور پر 2 کروڑ 20 لاکھ ٹن گندم کی ضرورت پڑتی ہے۔ ماضی میں زرعی شعبے میں متعدد وسائل کے باوجود کافی مقدار میں گندم پیدا کی جاتی رہی۔ پیداوار میں اضافے کی کمی کے پیش نظر گندم برآمد اور درآمد بھی کی جاتی رہی۔ لیکن سال 2007-08ء کے دوران ملک کو درپیش گندم کا بحران اپنی مثال آپ تھا۔

معاشی اور زرعی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ گندم کا بحران پیداوار میں کمی یا طلب میں اضافے کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ گزشتہ حکومت کی نااہلیت، ناقص انتظام، ذخیرہ اندوزی اور بدانتظامی تھی۔ موجودہ حکومت نے بھی اس صورتحال سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے۔

صوبوں کے درمیان گندم کے لیے ایک دوسرے سے لڑنا شروع ہو گئے۔ صوبوں کے درمیان گندم کی نقل و حمل پر پابندی کا آغاز ہو چکا ہے۔ جس کے مستقبل میں مثبت اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں صوبوں کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوئی۔

حکومت نے گندم کی پیداوار کا ہدف تخمینہ لگا کر 5 لاکھ ٹن گندم کم قیمت پر برآمد کر دی تھی جس کی وجہ سے گندم کو زیادہ قیمت پر درآمد کرنا پڑی۔ اس کے نتیجے میں قومی خزانے کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے علاوہ مختلف چیلنجوں اور مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل میں پیداوار کے فی ایکڑ اضافہ نہ ہونا، فی ایکڑ پیداوار میں مسلسل کمی، بتواتائی اور

ڈیزل کی بڑھتی ہوئی قیمتیں، ناقص معیار کے بیج، کھاد اور زرعی ادویات کی قلت اور زراعت سے متعلق دیگر مسائل اور مشکلات کا شکار رہا ہے۔

زرعی شعبے کو جس سب سے بڑے خطرے کا سامنا ہے وہ بجلی کی قلت اور ڈیزل کی بھاری قیمت ہے۔ پاکستان میں زراعت کا انحصار زمین کے نیچے پانی سے حاصل کیے جانے والے پانی پر ہے۔ 80 فیصد سے زائد ٹیوب ویل ڈیزل سے چلتے ہیں۔ ڈیزل کی قیمتوں میں اضافے سے پیداواری لاگت بڑھ جاتی ہے۔ اگرچہ ڈیزل کی قیمت میں معمولی کمی ہوئی ہے لیکن یہ اضافے سے بہت کم زیادہ کے مترادف ہے۔

کاشتکار اور زراعت سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد معیار سے کم تر بیج اور کھاد کی وجہ سے بھی اور ڈیزل کی مد میں انہیں سبسڈی دی جاتی ہے۔ کاشتکاروں کو اچھے معیار کے بیج اور فرٹیلائزر کے حصول میں مشکل کا سامنا ہے جو حکومت کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذخیرہ اندوز گاہے بگاہے کسانوں کے لیے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں وہ معیاری بیجوں اور فرٹیلائزر کی مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں اور انہیں بھاری قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ کم معیار کی کیڑے مار ادویات ایک اور مسئلہ ہیں جس کا کاشتکاروں کو سامنا ہے۔

2007-08ء کے دوران حکومت نے 2 کھرب 11 ارب مالیت کے قرضے جاری کیے تھے جو 2 کھرب روپے کے مقررہ ہدف سے زائد تھے لیکن زیادہ تر قرضے زمینداروں اور جاگیرداروں نے حاصل کر لیے اور چھوٹے کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملا۔

قرضوں کی اس نامناسب تقسیم کے باعث، گندم کی پیداوار میں مناسب حد تک اضافہ نہ ہو سکا۔ 2008ء میں زرعی پیداوار کا ہدف 5.1 مقرر کیا گیا تھا جو حاصل نہ ہو سکا۔ شرح افزائش 1.5 فیصد تک محدود رہی جس کے نتیجے میں جی ڈی پی میں زرعی شعبے کا حصہ کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا۔

نئے مالیاتی سال کے دوران حکومت نے 25 لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو درآمدات پر انحصار کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حکومت کو پیداواری نظام کو

کیری لوگر بل کیا لے گیا کیا دے گیا

کیری لوگر بل نے ایک مرتبہ ساری قوم کے بل نکال دیے ہیں پہلی مرتبہ فوج کو بالکل غیر متوقع ردعمل ظاہر کرنا پڑا حکومت ہر سوال کے جواب میں کہتی ہے کہ لوگ بل پڑھے بغیر اس پر تبصرہ کر رہے ہیں ذیل میں جمعرات 24 ستمبر 2009 کو سینٹ سے پاس ہونے والے کیری لوگر بل کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو میں پیش کیا جا رہا ہے اور اگر یہ بغیر کسی ترمیم کے منظور ہو گیا تو صدر اوباما کے پاس قانون دستخط کے لیے بھیج دیا جائے گا، جس کے بعد یہ قانون بن جائے گا۔ s. 1707 پاکستان کے ساتھ تعلقات کے فروغ ایکٹ برائے 2009ء

(مستفرق، متفق یا سینٹ سے منظور) SEC. 203 کچھ امداد کے حوالے سے متعین حدود

(a) سکیورٹی تعلقات میں معاونت کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء کے لیے، پاکستان کو مالی سال میں اس وقت تک کوئی سکیورٹی تعلقات میں معاونت فراہم نہیں کی جائے گی، جب تک سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر مملکت کی ہدایت پر سب سیکشن (c) میں درج ہدایات کے مطابق منظوری نہ دے دیں۔ (b) اسلحہ کی فراہمی کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء تک کے لیے، پاکستان کو اس وقت تک بڑا دفاعی سامان کی فروخت کا

بہتر بنانے کی کوشش کرنا چاہیے اور آنے والے عرصہ میں اس کو مزید بہتر کرنی چاہیے۔

ضرورت ہے کہ حکومت انتہا پسند تنظیموں سے اپنی بات منوانے اور پیداوار بڑھانے سے متعلق واضح پالیسی تیار کی جانی چاہیے۔ اگرچہ موجودہ حکومت نے کاشتکاروں سے حالات بہتر بنانے اور زرعی شعبے کو ترقی دینے کے اقدام کیے ہیں مگر یہ سب بے سود ہیں کیونکہ ان پر مملکت رقم خرچ نہیں ہو رہا ہے۔ زرعی ماہرین نے حکومت پر زور دیا ہے کہ حکومت ان پیشن گوئیوں پر توجہ دے جو ملکی معیشت کے بارے میں کی جا رہی ہیں اور کسانوں کو مزید غمگین بنانے سے احتراز کرے۔ انہوں نے ملک میں زرعی شعبے کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لیے مخلصانہ اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔

(نومبر 2009ء)

اجازت نامہ یا لائسنس، دی آرم ایکسپورٹ کنٹرول ایکٹ (22 usc 2751et seq)
کے مطابق جاری نہیں کیا جائے گا، جب تک امریکی وزیر خارجہ امریکی صدر کی ہدایت کے مطابق
سب سیکشن (c) میں درج ضروریات کے مطابق منظوری نہ دے دیں۔ (c) تصدیق کا عمل
اس سب سیکشن کے تصدیقی عمل کے لیے ضروری ہے کہ اسے سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر
کی ہدایت کے مطابق منظور کریں گے، کانگریس کی کمیٹیز کے مطابق کہ (1) امریکہ، حکومت
پاکستان کے ساتھ تعاون جاری رکھے گا کہ پاکستان جوہری ہتھیاروں سے متعلق مواد کی منتقلی کے
نیٹ ورک کو منہدم کرنے میں کردار ادا کرے۔ مثلاً اس سے متعلقہ معلومات فراہم کرے یا
پاکستانی قومی رفاقت جو اس نیٹ ورک کے ساتھ ہے تک یا براہ راست رسائی دے۔ حکومت
پاکستان نے موجودہ مالی سال کے دوران مسلسل اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اب بھی دہشت
گرد گروپوں کے خلاف موثر کوششیں کر رہی ہے۔ سیکشن 201 میں امداد کے جن مقاصد کو بیان کیا
گیا ہے۔ ان کے تحت حکومت پاکستان نے مندرجہ ذیل امور میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی
ہیں۔ (الف) مدد روکنا پاکستانی فوج یا کسی انٹیلی جنس ایجنسی میں موجود عناصر کی جانب
سے انتہا پسندوں یا دہشتگرد گروپوں، خصوصی طور پر وہ گروپ جنہوں نے افغانستان میں امریکی یا
اتحادی افواج پر حملے کئے ہیں یا پڑوسی ممالک کے لوگوں یا علاقوں پر حملوں میں ملوث ہوں
(ب) القاعدہ، طالبان اور متعلقہ گروپوں جیسے کہ لشکر طیبہ اور جیش محمد سے بچاؤ اور پاکستانی حدود
میں [illegible] سے [illegible] پڑوسی ممالک میں حملوں کی روک تھام، قبائلی علاقوں میں
دہشت [illegible] بندش تک کے مختلف حصوں بشمول کوئٹہ اور مرید کے میں موجود دہشت گرد
[illegible] تحریک طالبان پاکستان کے بارے میں فراہم کردہ خفیہ معلومات کے بعد
[illegible] دہشتگردی اور انٹی منی لانڈرنگ قانون کو مضبوط بنانا (3) پاکستان کی
[illegible] معاملات میں نمایاں کسی اور طریقے سے دخل اندازی

نہیں کریں گی۔ بعض ادائیگیاں (1) عام طور پر اس کا تعلق پیراگراف (2) سے ان فنڈز میں سے
کسی کا تعلق مالی سال 2010ء سے 2014ء تک کے مالی سال سے نہیں ہے یا اس فنڈ کا کوئی
تعلق پاکستان کے کاؤنٹر انسرجنسی کیپیبلٹی فنڈ سے بھی نہیں ہوگا جو کہ نیشنل ڈیفنس اتھورائزیشن
ایکٹ 2009ء (پبلک لاء 111-32 کے تحت قائم ہے) اس کا دائرہ کار ان ادائیگیوں تک وسیع ہو
گا جن کا تعلق (الف) لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹینس (Letter Of Offer And Pk-D-
NAP, Acceptnce) سے ہے۔ جن پر امریکہ اور پاکستان نے 30 ستمبر 2006ء کو
دستخط شدہ لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹینس PK-D-NAP اور (ب) (Letter Of Offer
Pk-D- NAP, And Acceptnce) جس پر امریکی حکومت اور حکومت پاکستان کی
جانب سے 30 ستمبر 2006ء کو دستخط ہوئے تھے۔ استثنیٰ [illegible] 20[illegible]ء سے
2014ء تک کیلئے جو فنڈز سیکورٹی میں مدد دینے کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ وہ تعمیرات اور
متعلقہ سرگرمیوں کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی وضاحت Letter Of Offer
And Acceptnce کے پیراگراف (1) میں کی گئی ہے۔ تحریری دستاویز [illegible] وزیر
خارجہ صدر کی ہدایت کے تحت مختص رقم میں سیکشن (A-(B) اور (D) کے تحت ایک سال کے لئے
کمی کر سکتے ہیں۔ وزیر خارجہ یہ اقدام اس وقت اٹھائیں گے جب انہیں خیال ہوگا کہ یہ اقدام
امریکہ کی قومی سلامتی کے مفاد میں ہے۔ تحریری دستاویز کا نوٹس، وزیر خارجہ کو صدر کی
ہدایت کے مطابق رقوم میں کمی کا اختیار پیراگراف (1) کے مطابق اس وقت تک استعمال نہیں کر
سکیں گے جب تک کانگریس کی متعلقہ کمیٹی کو اس سلسلے میں سات روز کے اندر تحریری نوٹس نہ مل
جائے جس میں رقوم میں کمی کی وجوہات درج ہوں یہ نوٹس کلاسیفائیڈ اور نان کلاسیفائیڈ شکل میں
ضرورت کے مطابق پیش کیا جائے گا۔ (ف) مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی تعریف اس حصے میں
مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی اصطلاح سے مراد ایوان نمائندگان کی نمبر 1 کمیٹی برائے خارجہ امور،

حامد
اردو فینز
کیلئے

کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خصوصی اصلاحات اور فروگزاشت، 2 سینٹ کی امور خارجہ
متعلقہ کمیٹی، مسلح افواج کمیٹی اور متعلقہ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہیں۔ سیکشن 204 خانہ جنگی سے نمٹنے
کی پاکستانی صلاحیت کا فنڈ (الف) مالی سال 2010، (1) عمومی طور پر۔ برائے مالی سال
2010، کیلئے ریاست کے محکمے نے ضمنی تخصیص ایکٹ 2009، (پبلک لا 32-111) کے تحت
پاکستان کی خانہ جنگی سے نمٹنے کی صلاحیت کا فنڈ قائم کر دیا گیا ہے۔ (اس کے بعد اسے صرف فنڈ
لکھا جائے گا) پر مشتمل ہوگا۔ مناسب رقم پر جو اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی (جو شاید شامل
نہیں ہوگی اس مناسب رقم میں 70 ایکٹ کے عنوان نمبر ایک پر عملدرآمد کیلئے ہے۔ (ب) وزیر
خارجہ کو دستیاب رقم بصورت دیگر اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی۔ (2) فنڈ کے مقاصد
فنڈ کی رقم اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے کسی بھی مالی سال دستیاب ہوگی اور اس کا
استعمال وزیر خارجہ، وزیر دفاع کی اتفاق رمشاورت سے کریں گے اور یہ پاکستان کی انسداد خانہ
جنگی صلاحیت کے فروغ اور استحکام پر انہی شرائط کے تحت صرف ہوگی۔ ماسوائے اس سب سیکشن
جو مالی سال 2009، کیلئے دستیاب فنڈ اور رقوم پر لاگو ہوگا (3) ٹرانسفر اتھارٹی: (الف)
عمومی طور پر امریکی وزیر خارجہ کسی بھی مالی سال کیلئے پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ جو ضمنی تخصیص
ایکٹ 2009، کے تحت قائم کیا گیا ہے، کو رقوم منتقل کرنے کی مجاز ہوں گی اور اگر وزیر دفاع کے
اتفاق رائے سے یہ طے پائے کہ فنڈ کی ان مقاصد کیلئے مزید ضرورت نہیں جن کیلئے جاری کئے
گئے تھے تو وزیر خارجہ یہ رقوم واپس کر سکتے ہیں۔ (ب) منتقل فنڈ کا استعمال۔ سیکشن 203 کی
ذیلی شق (د)، اور (ع) کے تحت پیراگراف (الف) میں دی گئی اتھارٹی اگر فنڈ منتقل کرتی ہے تو
کسی اور مقاصد کے تحت پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ کے لئے استعمال ہوگی۔ (ج)
متعلقہ کمیٹیوں سے مشاورت۔ اس سب سیکشن کے تحت معاونت فراہم کرنے والی اتھارٹی
[illegible] فراہمی کا اختیار رکھے گی۔ (د) نوٹیفکیشن۔ وزیر خارجہ سب

پیراگراف (الف) کے تحت فنڈ کی فراہمی سے کم از کم 15 روز قبل کانگریس کی کمیٹیوں کو تحریری طور
پر فنڈ کی تکمیل کی تفصیلات سے آگاہ کریں گی۔ (ر) نوٹیفکیشن کی فراہمی۔ اس سیکشن کے تحت کسی
نوٹیفکیشن کی ضرورت کی صورت میں کانگریشنل ڈیفینس نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا۔
(س) کانگریشنل کمیٹیوں کی اصطلاحات۔ اس سیکشن کے تحت مجاز کانگریشنل کمیٹیوں سے مراد (1)
ایوان نمائندگان کی آرمڈ سروسز کمیٹی اور خارجہ تعلقات کمیٹی (2) سینٹ کی آرمڈ سروسز اور خارجہ
تعلقات کمیٹی ہے۔ سیکشن 205 فراہم کی گئی امداد کو سویلین کنٹرول ضروریات
(1) مالی سال 2010، سے مالی سال 2014، تک دوران عبوری پاکستان کو سیکورٹی کیلئے
فراہم کی گئی براہ راست نقد امداد پاکستان کی سویلین حکومت سے سویلین وزارت کو فراہم کی جائے
گی۔ کیری لوگر بل کی سیکشن 205 کے تحت مخصوص امدادی پیکیج پر سویلین کنٹرول کی شرائط
کیری لوگر بل میں سیکشن 205 کس تحت پاکستان کو امداد کی فراہمی کیلئے سویلین کنٹرول کی شرائط
عائد کی گئی ہیں۔ (ا) شرائط: (1) عمومی طور پر 2010، سے 2014، تک حکومت پاکستان کو
امریکہ کی جانب سے ملنے والی سیکورٹی معاملات سے متعلقہ کیش امداد یا دیگر نان اسسٹنس (غیر
امدادی) ادائیگیاں صرف پاکستان کی سویلین حکومت کی سویلین اتھارٹی کو دی جائے گی۔ (2)
دستاویزی کارروائی مالی سال 2014 -2010، تک امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع کی معاونت
اور تعاون سے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ امریکہ کی جانب سے حکومت پاکستان کو دی جانے
والی غیر امدادی (Non-Assistance) ادائیگیوں کی حتمی دستاویزات پاکستان کی سویلین
حکومت کی سویلین اتھارٹی کو وصول ہو چکی ہیں۔ (ب) شرائط میں چھوٹ: (1) سیکورٹی سے
متعلق امداد، بل کے مطابق امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع سے مشاورت کے بعد ذیلی سیکشن (a)
کے تحت سیکورٹی سے متعلق امداد پر عائد شرائط کو ختم کر سکتے ہیں تاہم اس کیلئے ضروری ہے کہ یہ
سیکورٹی امداد امریکی بجٹ کے فنکشن نمبر 150 (بین الاقوامی معاملات) سے دی جا رہی ہو اور

امریکی وزیر خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو اس امر کی یقین دہانی کرائیں کہ شرائط میں چھوٹ
امریکہ کی قومی سلامتی کیلئے ضروری اور امریکی مفاد میں ہیں۔ (2) غیر امدادی
(Non-Assistance) ادائیگیاں امریکی وزیر دفاع، وزیر خارجہ کی مشاورت سے ذیلی
سیکشن (a) کے تحت ایسی غیر امدادی ادائیگیاں جو بجٹ فنکشن 050 (قومی دفاع) کے اکاؤنٹس
سے کی جارہی ہوں پر سائر شرائط کو ختم کر سکتے ہیں۔
چہارم اس چھوٹ کیلئے وزیر دفاع کو کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرانا ہوگی کہ
پندرہویں میں چھوٹ امریکہ کے قومی مفاد کیلئے اہم ہے۔ (ج) بعض مخصوص سرگرمیوں پر سیکشن
(205) کا اطلاق۔ درج ذیل سرگرمیوں پر سیکشن 205 کے کسی حصے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ (1)
ایسی کوئی بھی سرگرمی جس کی رپورٹنگ 1947ء کے قومی سلامتی ایکٹ (50U.S.C 413
et Seq) کے تحت کی جانا ضروری ہے۔ (2) جمہوری انتخابات یا جمہوری عمل میں عوام کی
شرکت کی فروغ کیلئے دی جانے والی امداد (3) ایسی امداد یا ادائیگیاں جن کا وزیر خارجہ تعین کریں
اور کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرائیں کہ مذکورہ امداد یا ادائیگیوں کو ختم کرنے سے
جمہوریت خطرات سے دوچار ہوگی ہے۔ (4) مالی سال 2005ء میں روولڈ ڈبلیو ریگن نیشنل
ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن (208) (ترمیم شدہ) کے تحت ہونے والی ادائیگیاں
(Public Law 108-375, 118 (5), Stat 2086) امریکی محکمہ دفاع اور
[illegible] پاکستان کے مابین کراس سروسنگ معاہدے کے تحت کی جانے والی
[illegible] 2009ء میں ڈیفنس ہنڈ نیشنل ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن
[illegible] (Public Law 110-417, 112 Stat)
[illegible] تعریف سیکشن 205 میں استعمال ہونے والی
[illegible] (1) ''متعلقہ کانگریس کمیٹیوں'' سے مراد

ایوان نمائندگان افراجات سے متعلق کمیٹیوں، آرمڈ سروسز اور خارجہ امور کی کمیٹیوں جبکہ کی
افراجات سے متعلق کمیٹیاں، آرمڈ سروسز اور خارجہ امور کمیٹیوں ہیں۔ (2) ''پاکستان کی سویلین
حکومت'' کی اصطلاح میں ایسی پاکستانی حکومت شامل نہیں ہے جس نے باقاعدہ منتخب سربراہ کو فوجی
بغاوت یا فوجی حکم نامے کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیا ہو۔ عنوان III حکومت عملی، احتساب،
مانیٹرنگ اور دیگر شرائط سیکشن 301 حکومت عملی رپورٹس (اے) پاکستان کی
امداد سے متعلق حکومت عملی کی رپورٹ۔ اس ایکٹ سے نافذ العمل ہونے سے 45 روز کے اندر
سیکرٹری خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو پاکستان کی امداد سے متعلق امریکی حکومت عملی اور پالیسی
کے حوالے سے رپورٹ پیش کرے گا۔ رپورٹ میں درج ذیل چیزیں شامل ہوں گی۔ (1)
پاکستان کو امریکی امداد کے اصولی مقاصد (2) مخصوص پروگراموں، منصوبوں سیکشن
101 کے تحت وضع کردہ سرگرمیوں کی عمومی تفصیل اور ان منصوبوں، پروگراموں اور سرگرمیوں کے
لئے مالی سال 2010ء سے 2014ء تک مختص کردہ فنڈز کی تفصیلات۔
(3) ایکٹ کے تحت پروگرام کی مانیٹرنگ آپریشنز، ریسرچ اور منظور کردہ امداد کے تجزیے کا
منصوبہ (4) پاکستان کے قومی، صوبائی، مقامی حکام، پاکستان سول سوسائٹی کے ارکان نجی شعبہ،
سول، مذہبی اور قبائلی رہنماؤں کے کردار کی تفصیلات جو ان پروگراموں، منصوبوں کی نشاندہی اور
ان پر عملدرآمد میں تعاون کریں گے۔ جن کے لئے اس ایکٹ کے تحت امداد دی جارہی ہے۔ اس
کے علاوہ حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایسے نمائندوں سے مشاورت کی تفصیل 5 اس
ایکٹ کے تحت اٹھائے گئے اور اٹھائے جانے والے اقدامات سے یہ یقینی بنایا جائے گا کہ امداد
افراد اور دہشت گرد تنظیموں سے الحاق رکھنے والے اداروں تک نہ پہنچے۔ 6 اس ایکٹ کے تحت
پاکستان کو فراہم کردہ امداد کی سطح کا تخمینہ لگانے کیلئے اسے مندرجہ ذیل کیٹیگریوں میں تقسیم کیا گیا
ہے میلینیم چیلنج اکاؤنٹ امداد (Assistance) کے لئے اہل امیدوار ملک کے تعین کے طریقہ

علاقائی سلامتی کی حکمت عملی کی رپورٹ کی کاپی، اہداف کا تعین اور تجویز کردہ وقت اور حکمت عملی پر عمل کے لئے بجٹ کی تفصیل شامل ہے۔ (ب) رپورٹ میں ریجنل سیکیورٹی کی جامع حکمت عملی کی ایک نقل شامل ہوگی۔ جس میں اہداف سمیت حکمت عملی پر مطلوبہ آمد کیلئے مجوزہ وقت اور بجٹ کی تفصیلات شامل ہوں گی۔ (C) مناسب کانگریسی کمیٹی کی تعریف اس پیراگراف کے مطابق مناسب کانگریسی کمیٹی کا مطلب (i) ایوان نمائندگان کی کمیٹی برائے Appropriations، امور کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا اور (ii) سینٹ کی کمیٹی برائے Appropriations، کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا۔ (c) سیکیورٹی میں مدد کے حوالے سے منصوبہ: اس قانون کے بنائے جانے کے 180 دن کے اندر وزیر خارجہ مناسب کانگریسی کمیٹی کے سامنے وہ منصوبہ پیش کریں گے جس کیلئے فنڈز مختص کئے جائیں گے اور یہ مالی سال 2010ء سے 2014ء تک ہر سال ہوگا، اس منصوبے میں یہ بتایا جائے گا کہ رقم کا استعمال کس طرح سے سیکشن 204 میں مذکورہ رقوم سے متعلقہ ہے۔ سیکشن 302 مانیٹرنگ رپورٹس (a) سیکشن 301(اے) پر عمل کرتے ہوئے Pakistan Assistance Strategy Report پیش کئے جانے کے 180 دن کے اندر (ششماہی) اور بعدازاں 30 ستمبر 2014ء تک ششماہی بنیادوں پر سیکرٹری خارجہ کی طرف سے سیکرٹری دفاع کے ساتھ مشاورت کے بعد مناسب کانگریسی کمیٹی کو رپورٹ پیش کی جائے گی۔ جس میں اس طرح (180 دنوں میں) فراہم کی گئی مدد و معاونت کی تفصیلات ہوں گی۔ اس رپورٹ میں درج ذیل تفصیلات ہوں گی۔ (1) جس عرصے کیلئے یہ رپورٹ ہوگی اس عرصے کے دوران اس ایکٹ کے تحت کسی پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی کے ذریعے فراہم کی گئی معاونت اور اس کے ساتھ ساتھ جس علاقے میں ایسا کیا گیا ہوگا اس کا حدود اربعہ اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس میں رقم

کار کے حوالے سے سالانہ معیاری رپورٹ (Criteria Report) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کیٹیگریز مندرجہ ذیل ہیں۔ (I) عوامی آزادی (II) سیاسی حقوق (III) آزادی اظہار رائے اور احتساب (IV) حکومت کی موثریت (V) قانون کی بالادستی (VI) بدعنوانی پر قابو (VII) پالیسیوں کی شرح (VIII) شعبہ صحت پر خرچ (IX) لڑکیوں کی پرائمری تک تعلیم مکمل کرنے کی شرح (X) پرائمری تعلیم پر بجٹ (XI) قدرتی وسائل کا استعمال (XII) کاروباری مشکلات کے خاتمے (XIII) لینڈ رائٹس اور ان تک رسائی (XIV) تجارتی پالیسی (XV) ریگولیٹری کوالٹی (XVI) مہنگائی پر قابو (XVII) مالی پالیسی 7 پاکستان کے پاس پہلے سے موجود بھی کاپیز کی تبدیلی اور اس حوالے سے تربیت اور ان کی درستگی کے لئے سفارشات اور تجزیہ بھی کیا جائے گا۔ (B) علاقائی حکمت عملی کی تفصیلی رپورٹ کانگریس کی فہم و فراست: یہ کانگریس کی فہم و فراست ہے کہ امریکی قومی سلامتی کے مقاصد کے حصول، پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں کے خاتمے کے لئے ایک تفصیلی ترقیاتی منصوبے کی ضرورت ہے۔ جس میں دیگر متعلقہ حکومتی محکموں کے تعاون و اشتراک سے قومی طاقت کے تمام عناصر کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے۔ پاکستان کی دیرپا خوشحالی اور سلامتی کے لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان، افغانستان اور بھارت کے ساتھ مضبوط تعلقات ہوں۔ علاقائی سلامتی کی تفصیلی حکمت عملی پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں کے خاتمے کے لئے صدر پاکستانی حکومت اور دیگر علاقائی صلاحیتوں اور اداروں سے اشتراک سے علاقائی سلامتی کی حکمت عملی ترتیب دیں گے۔ پاک [illegible] صوبہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے علاقوں میں اس علاقائی سلامتی کی [illegible] کوششیں عمل میں لائی جائیں گی۔ [illegible] 180 روز کے اندر اندر صدر علاقائی سلامتی [illegible] میں [illegible] کروائیں گے۔ جس کے مندرجات میں

ہ گی (3) ہر سال سے شروع ہوگی، جس تک پہلی رپورٹ کا تعلق ہے تو اس میں مالی سال
2000ء میں پاکستان کی معاونت سے فراہم کی گئی رقوم کی تفصیل ہوگی اور اس میں بھی ہر
پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی کے بارے میں بتایا جائے گا۔ (2) رپورٹ کے عرصے کے دوران
اس ایکٹ کے تحت پراجیکٹ شروع کرنے والے ایسے امریکی یا کسی اور ملک سے
شہریوں یا تنظیموں کی فہرست بھی رپورٹ میں شامل ہوگی جو ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم وغیرہ
حاصل کریں گے اور یہ فہرست کسی کلاسیفائیڈ ضمیمہ میں دی جا سکتی ہے تاکہ اگر کوئی سکیورٹی رسک
ہو تو اس سے بچا جا سکے اور اس میں اس کو خفیہ رکھنے کا جواز بھی دیا جائے گا۔ (3) رپورٹ میں
سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق (3) میں مذکورہ منصوبے کے بارے میں تازہ ترین اپ
ڈیٹس، پیش رفت اور اس ایکٹ کے تحت دی گئی معاونت کے اثرات کی بہتری
کے لئے اقدامات کی تفصیل بھی شامل ہوگی۔ (4) رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا
جس میں اس ایکٹ کے تحت فراہم کی گئی معاونت کے موثر اثر پذیری کا احاطہ کیا گیا ہوگا اور اس
میں سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 3 میں بتائے گئے طریقہ کار کو مدنظر رکھ کر مطلوبہ مقاصد کے
حصول یا نتائج کا جائزہ لیا گیا ہوگا اور اس سب سیکشن کے پیراگراف 3 کے تحت اس میں ہونیوالی
پیش رفت یا اپ ڈیٹ بھی بیان کی جائے گی جو کہ یہ جانچنے کیلئے کہ آیا مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے
ہیں یا نہیں ایک منظم مربوط بنیاد فراہم کرے گی، اس رپورٹ میں ہر پروگرام اور پراجیکٹ کی تکمیل
کا عرصہ بھی بتایا جائے گا۔ (5) امریکہ کی طرف سے مالیاتی فزیکل، تکنیکی یا انسانی وسائل کے
حوالے سے دی گئی ہر سیکشن جو کہ ان فنڈز پر موثر استعمال یا مانیٹرنگ میں رکاوٹ ہوگی، کے بارے
میں بھی اس رپورٹ میں ذکر کیا جائے گا۔ (6) امریکہ کی دوطرفہ یا کثیر الطرفہ معاونت کے منفی
اثرات بھی اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس حوالے سے اگر کوئی ہوگی تو پھر تبدیلی کیلئے
تجاویز بھی دی جائیں گی اور جس ملک کو یہ معاونت کیلئے یہ فنڈز یا معاونت ہوگی اس کی انجذابی صلاحیت

تشخیص بھی رپورٹ میں مذکور ہوگی۔ (7) رپورٹ میں اس ایکٹ کے تحت ہونے
والے اخراجات کے ضیاع، فراڈ یا غلط استعمال سے متعلق کسی واقعہ یا رپورٹ بھی شامل کی
جائے گی۔ (8) ان فنڈز کی رقم جو کہ سیکشن 102 کے تحت استعمال کیلئے مختص کی گئی اور جو کہ
رپورٹ کے عرصے کے دوران انتظامی اخراجات یا آڈٹ یا سیکشن 103 یا 101 (ں) کی ذیلی
شق 2 کے تحت حاصل اختیارات سے زائد استعمال کی گئی کی تفصیلات بھی رپورٹ میں شامل
ہوں گی۔ (9) سیکشن 101 (ں) کی ذیلی شق 5 کے تحت قائم مقرر کردہ چیف آف مشن فنڈ کی
طرف سے کئے گئے اخراجات جو کہ اس عرصے کے دوران کئے گئے ہوں گے جس کیلئے رپورٹ
تیار کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں شامل ہوں گے۔ اس میں ان اخراجات کا مقصد بھی بتایا جائے گا
اور اس میں چیف آف مشن کی طرف سے ایک لاکھ ڈالر سے زائد کے اخراجات سے وصول
کنندگان کی فہرست بھی شامل ہوگی۔ (10) اس ایکٹ کے تحت ایک کے تحت پاکستان کو فراہم
کی گئی معاونت کا حساب کتاب (اکاؤنٹنگ) جو کہ سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 6 میں دی گئی
مختلف کیٹیگریز میں تقسیم کی گئی ہے کی تفصیل بھی رپورٹ میں بیان کی جائے گی۔ (11) اس
رپورٹ میں درج ذیل مقاصد کیلئے حکومت پاکستان کی طرف سے کی گئی کوششوں کے جائزہ بھی
پیش کیا جائے گا۔ (الف) فاٹا یا بندوبستی علاقوں میں القاعدہ، طالبان یا دیگر انتہا پسند اور دہشت
گرد گروپوں کے خاتمے، ان کو غیر موثر یا شکست دینے کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ب) ایسی قوتوں
کے پاکستان میں موجود محفوظ ٹھکانوں کے خاتمے کیلئے کی گئی کوششیں (ج) لشکر طیبہ اور
جیش محمد کے تربیتی مراکز کی بندش (د) دہشت گرد اور انتہا پسند گروپوں کو ہر قسم کی مدد و تعاون کا
خاتمہ (ر) ہمسایہ ممالک میں حملوں کی روک تھام کیلئے کوششیں (س) اقدامات مدارس کے
نصاب کی نگرانی میں اضافہ اور طالبان یا دہشت گرد یا انتہا پسند گروپوں سے تعلق رکھنے والے
مدارس کی بندش کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ش) انسداد منی لانڈرنگ قوانین اور دہشت گردی کے

[illegible] میں بھی بھارتی پابندیوں کی مخالفت کی اور [illegible] کی فراہمی روکنے کیلئے اقوام متحدہ سے [illegible] کی اپیل کی۔ (12) پاکستان کی طرف سے جوہری عدم پھیلاؤ [illegible] پر حملہ آور ہونے کی کوششیں۔ (12) پاکستان کی طرف سے جوہری عدم پھیلاؤ کے علاقائی تناظر پر حملہ آور ہونے کی کوششیں۔ (12) پاکستان کی طرف سے جوہری عدم پھیلاؤ (جوہری سودا اور مہارت) کیلئے کی گئی کوششوں کی جامع تفصیل بھی اس رپورٹ میں شامل ہوگی۔

(13) اس رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا کہ آیا پاکستان کو فراہم کی گئی معاونت اس کے جوہری پروگرام کی توسیع میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مددگار ثابت ہوئی ہے یا نہیں۔ آیا امریکی معاونت کے اخراف پاکستان کے وسائل کی Reallocation جو کہ بصورت دیگر پاکستان کے جوہری پروگرام سے غیر متعلقہ سرگرمیوں پر خرچ ہوں گے۔ (14) رپورٹ میں سیکشن 202(بی) کے تحت مختص کئے گئے اور خرچ کئے گئے فنڈز کی جامع تفصیلات بھی شامل ہوں گی۔ (15) اس رپورٹ میں حکومت پاکستان کا فوج پر موثر سویلین کنٹرول، بشمول سویلین ایجنسیوں، وزارت دفاع اور پارلیمنٹ کا فوجی/عسکری بجٹ کی نگرانی اور منظوری، کمانڈ کے تسلسل، سینئر فوجی افسروں کی ترقی میں عمل دخل اور سول انتظامیہ میں فوجی مداخلت کی تفصیلات بھی شامل ہوں گی۔

(b) عہدہ سے اجتناب اختیار کی رپورٹس — پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ۔ سیکشن 301 (اے) کے تحت پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ پیش کئے جانے کے ایک سال کے اندر کنٹرول جنرل آف امریکہ مناسب کانگریسی کمیٹی کو ایک رپورٹ پیش کرے گا جس میں درج ذیل تفصیلات شامل ہوں گی۔ (الف) پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ کا جائزہ اور اس حوالے سے (ب) (ان ایمنٹ کے تحت مقاصد کے حصول کیلئے امریکی کوششوں کو موثر بنانے کیلئے اگر [illegible] مزید اضافی اقدامات مناسب سمجھتا ہے تو وہ بھی بیان کئے جائیں گے۔ (پ) آرمز [illegible] پھیلاؤ سے متعلق ایمنٹ (22 یو ایس سی) کی شق 22 کے تحت دی گئی گرانٹ کے مطابق [illegible] کی خلاف ورزیوں سے متعلق اخراجات کی مفصل رپورٹ بھی پیش کی جائے گی۔

اگر پہلے اس وقت پاکستان میں یہ ہی لوگ ہیں جن کا مفاد شراکت داری ہے۔ [illegible] سے متعلق ایوانوں میں اس بات کا تجزیہ کیا جا رہا ہے کہ اس تبدیلی کا اصل ذمہ دار کون ہے۔ ان ایوانوں میں پاکستان اس بل کے ناقص حصوں کی نظرثانی سے آخری مراحل سے گزر رہا ہے۔ ان ایوانوں میں پاکستان سے حق میں رائے ہموار کرنے کے لئے اصل ذمہ داری سے ایسے نئے امریکی فرموں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں جن کا ماضی میں پاکستان سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ یہ امر ابھی واضح نہیں کہ بل کی منظوری سے آخری مرحلہ پر اس فرم کی خدمات کو [illegible] قرار کیا جائے گا۔

امریکہ میں پاکستان کے حق میں کام کرنے والی اس نئی فرم کا نام لیسڈی اینڈ ایسوسی ایٹس ہے مذکورہ فرم کو واشنگٹن میں لابنگ کرنے والی سب سے بڑی فرموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کو کیری لوگر بل کے ذریعے ملنے والی امداد میں لوزار ڈیلیور کا کردار ادا کرنے والی شخصیت میں رابن رافیل نئی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے اس کمپنی میں اہم حصہ دار تھیں تاہم اب بحیثیت کوآرڈینیٹر تعیناتی کے بعد ان کا کام پاکستان کو ملنے والی امداد کے صحیح استعمال کی مانیٹرنگ کرنا اور اس سلسلے میں امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کو رپورٹ پیش کرنا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ کیری لوگر امدادی بل میں سخت شرائط عائد کئے جانے پر پاکستان کی مایوسی کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ بل کی منظوری کے آخری مرحلہ پر حکومت پاکستان نے موجودہ لابنگ فرم مارک اے سیگل کی خدمات ترک کر دی ہیں۔ اس فرم کے مالک مارک سیگل شہید محترمہ بھٹو کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے ساتھ مشترکہ طور پر ایک کتاب بھی لکھی جو ان کی المناک موت کے بعد شائع ہوئی۔ لابنگ کی خدمات انجام دینے والی نئی فرم کیسڈی کے ایک عہدیدار نے بتایا کہ پاکستان کے ساتھ ان کا معاہدہ سالانہ سات لاکھ امریکی ڈالر میں ہوا ہے جبکہ دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہونگے۔ اس طرح ان اخراجات کی مالیت کئی لاکھ ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ کیسڈی ایسوسی ایٹس نے امریکی محکمہ انصاف کے پاس پاکستان کی

بلنگ فرم کی حیثیت سے 14 جولائی 2000ء کو اپنی رجسٹریشن کے مقاصد بیان کرتے ہوئے
لکھا ہے کہ فرم امریکہ میں سرکاری اور نجی شعبوں میں فیصلہ ساز شخصیات اور اداروں میں پاکستان
کی پوزیشن کی پیروی کرتی ہے اور پاکستان کے مفاد اور مفادات کے متعلق امریکی حکومت،
قانون ساز اداروں کے عہدیداروں کو نہ صرف جانکاری دیتی ہے بلکہ امریکی حکومت کی پالیسی و
پاکستان کے مفاد اور مفادات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے لابنگ کرنے کی ذمہ داری نبھاتی
ہے۔ یہ فرم نجی شعبہ میں امریکی صنعتی اداروں کو پاکستان کے قریب لانے کے علاوہ امریکی حکومت
کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے لئے امریکی حکومت کی ترجیحات سے پاکستان کو آگاہ رکھتی ہے۔
دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے وقت جب کیری ٹوریل امریکی ایوانوں میں منظوری کے مراحل طے کر رہا
ہے۔ اس وقت نئی امریکی لابنگ فرم کی خدمات حاصل کرنے سے پاکستان کے اس زمرے میں
آنے والے مصارف میں کوئی اضافہ نہ ہو جائے۔ بلکہ یہ بات واضح نہیں کہ اب تک اس فرم کی
خدمات نے پاکستان کیلئے کون سے فوائد کے حصول کو ممکن بنایا ہے۔ اگرچہ موجودہ لابنگ فرم کے
مطابق مارک سیگل کا کہنا ہے کہ کیری ٹوریل کی منظوری پاکستان کے لئے ایک بڑی کامیابی ہے
روزمرہ کی خبروں کے مطابق اس بات کا ریکارڈ ہے کہ انہوں نے جولائی میں اخبار
نیویارک ٹائمز کے ادارتی بورڈ کے ساتھ ایک میٹنگ کی تھی جس میں پاکستان کے لئے امدادی بل منظور کرانے میں مدد
دینے کی درخواست کی تھی کیونکہ ان کی کمپنی نے پاکستان کے لئے امدادی بل منظور کرانے میں مدد
کی۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو ملنے والی غیر فوجی امداد تین گنا ہو کر پانچ سال میں سات
ارب ڈالر تک پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ بھارتی لابی کی جانب سے بعض
امریکی ارکان کانگرس کو گمراہ کرنے کیلئے تیار کیا گیا تھا لیکن ان کی کمپنی نے یہ کوششیں ناکام بنا
دیں۔ ان کوششوں کا مقصد بھارت کے مقابلے میں پاکستان کو دفاع کے معاملے میں
کمزور ثابت کرنا تھا۔ جو کہ بھارت کے مقابلے میں پاکستان کو دفاع کے معاملے میں
مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے سیاسی حلقوں اور امریکہ میں پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے

کا توڑ بھی کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ انہوں نے پاکستان کیلئے فوجی امداد کی منظوری کرانے
میں بھی مدد دی جس سے ڈرپ پاکستان میں صحت کی سہولتوں اور زراعت کی ترقی کیلئے امداد حاصل
کرنے میں مدد ملی۔ جولائی سے ستمبر میں مارک سیگل کی جانب سے دی گئی یہ معلومات اس وقت ثابت ہوئیں جب
امریکی کانگرس نے کڑی شرائط عائد کرتے ہوئے پاکستان کیلئے امداد کی منظوری دے دی۔
اس بل میں امدادی شرائط توقعات سے کہیں زیادہ سخت ثابت ہوئی ہیں جب وہ جولائی میں
موقع پر کہا ہے کہ مسٹر سیگل کی لابنگ کی کوششیں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ اس طرح مارک
سیگل نے نوٹ میں ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز (Roz) سے قیام سے متعلق روزنامہ نیویارک ٹائمز کو بتایا
کہ امریکی لیجسلیٹروں کی جانب سے سخت مخالفت کے باوجود ہم نے اردن و گھریلو سے براہ
راست رابطہ کر کے انہیں "آر اوز یز" کے منصوبے کو کیری ٹوریل میں شامل کرنے اور ان ایوان کی
رولز کمیٹی میں پیش کرنے کیلئے کہا جس کی وجہ سے پورے ایوان سے اس بل کی منظوری ہوئی۔

مارک سیگل کے مطابق اس قانون کے ذریعے پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں
ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز (آر اوز یز) کا قیام ممکن ہوگا۔ امریکی سینٹروں کینٹ، ویل، سینٹری اور
ہیچ کی جانب سے بھی اس ترمیت کے بل سینٹ میں زیر غور ہیں۔ روز Rozs کے قیام سے پاکستان
اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں تیار کی گئی ٹیکسٹائل مصنوعات، دستکاریوں، کارپٹ، قیمتی پتھر
اور دوسری اشیاء کو امریکی ڈیوٹی فری مارکیٹ تک رسائی حاصل ہوگی امریکہ کی جانب سے اردن،
مصر اور بعض دیگر ملکوں میں ایسے منصوبوں پر عمل کیا جا رہا ہے ہم نے ان منصوبوں کو معاشی تنہ نصوں
سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کام کیا ہے۔ جس کا مقصد علاقے میں سیاسی استحکام پیدا کرنا ہے ہم
امریکی انتظامیہ پر اس منصوبے کو بلوچستان تک پھیلانے کیلئے زور دے رہے ہیں۔

مارک سیگل کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی اس وقت کھل گئی جب اس ہفتے کیری لوگر بل کی
سینٹ سے منظوری کے بعد ہی تھیلے سے باہر آ گئی جس میں ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز

(آرا دوزیز) کے قیام کا ذکر تک نہ تھا مارک سوگل نے ان دعووں کے عوض پاکستان سے جو اجرت حاصل کی اس کی ایک جھلک بھی ہوش اڑا دینے کیلئے کافی ہے۔ انہوں نے امریکی محکمہ انصاف سے پاس پاکستان سے ڈالر کی صورت میں بطور معاوضہ حاصل کی گئی رقم کی جو تفصیلات جمع کروائی ہیں ان میں گاڑی کی پارکنگ فیس کے علاوہ پھولوں کی خریداری فرنیچر کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی حتیٰ کہ پاکستان سے آنے والے سفارتکاروں کیلئے ہینگ داموں ہوائی سفر کے ٹکٹ تک شامل ہیں۔ ان اکاؤنٹس کی تفصیلات امریکی محکمہ انصاف کی ویب سائٹ فارن ایجنٹس رجسٹریشن ایکٹ (FARA) پر دستیاب ہیں۔ پاکستان امریکہ میں لابنگ کیلئے کس قدر کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے اور اس کام کیلئے بنی امریکی فرموں کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل اس ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ بعض فرموں کی جانب سے محکمہ انصاف کے پاس رجسٹریشن تو کرائی گئی ہے اور پاکستان سے حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بھی دی گئی ہے لیکن اس کے بدلے پاکستان کو دی جانے والی خدمات کا کوئی ذکر نہیں اس امر کی تفصیل اجمالاً درج ذیل ہے۔ (1) برسن مارسٹیلر، اور مونٹ ایونیو، چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم 119,946 ڈالر، فرم کی نوعیت میڈیا ریلیشنز، پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

2۔ ڈیوی اینڈ ٹی بیوف نئو یارک ایونیو چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم تین لاکھ ڈالر

پاکستان کی وزارت تجارت کیلئے خدمات

3۔ بے ڈیو ایشیا نک اے بے این ایمرو بنک بلڈنگ کراچی حاصل کردہ رقم کا ذکر نہیں شعبہ ایڈورٹائزنگ حکومت پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

4۔ رائک لارڈ سٹنٹی زمانہ واشنگٹن، حاصل کردہ رقم کا ذکر نہیں کام کی نوعیت پی آئی اے ٹیکنیکل اور دیگر خدمات۔

(نومبر 2009ء)

لٹ کے کھا گئے

کیری لوگر بل پر بہت باتیں ہوچکیں لیکن جیسا کہ آغاز ہی میں سیانوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ بل امریکہ نے تیار کیا ہے گو کہ اس کی تیاری میں بھارتی اور کچھ مخلص پاکستانیوں نے بھی اپنا حصہ بقدر حوصلہ ڈالا ہے۔ اب معمول کے مطابق ہمارے کچھ سیاستدان اس پر شور و غوغا کر کے اپنا قد بڑھانے کی کوشش تو کریں گے لیکن بالآخر وہ بھی اسی تنخواہ پر نوکری کرنے پر رضامند ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

مسلم لیگ (ن) نے حسب سابق مشرف کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 6 کے تحت مقدمہ چلانے کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی خاصی سرگرمی دکھائی۔ ٹی وی چینلوں اور اسمبلی وزرا پر خطابت کے جوہر دکھائے لیکن آخر کار امریکہ، لندن کے مختصر دوروں اور امریکی زعما خصوصاً سینیٹر کیری لوگر سے ملاقات کے بعد مشرف کی پھانسی کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی "پرانی تنخواہ پر کام کرتے رہنے" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ اب کبھی کبھی سیاسی گرمی میں ابال آتا ہے تو میڈیا کا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ بیانات دے کر اپنی "اصولی سیاست" کا ڈھول پیٹنے لگتے ہیں۔

ہمارے ہر اس سیاستدان کو جو اقتدار کے ایوانوں سے دھکے کھا کر نکل آیا ہے

غریب عوام کی قربت پریشان رکھتی ہے۔ میاں نواز شریف نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا ہے کہ اس وقت پاکستان پر اندرونی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ کی مالیت 8 ہزار ارب روپے تک پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ان کی حکومت برخاست کی گئی تو پاکستان پر قرضوں کا بوجھ 3 ہزار ارب روپے سے کم تھا اور اب قرضوں کا بوجھ اتارنے کے لئے قوم کو فی خاندان 2 لاکھ روپے ادا کرنا ہوں گے۔ اپنے آرائے متعلق انہوں نے حکومت کو تجویز کی کہ وہ اس بل کو پارلیمنٹ سے منظور نہ کرائے اگر ایسا کیا تو کرپشن کو قانونی شکل حاصل ہو جائے گی اور پاکستان پوری دنیا میں بدنام ہوگا۔ اس کالے قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کرواتے ہوئے پاکستان پر ہتھوڑا گرے گا۔ ایسی ہی باتیں وزیراعلیٰ پنجاب نے بھی کی ہیں۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ (ق) کے رہنماؤں نے بھی اس بل کی پارلیمنٹ میں مخالفت کرنے کا عندیہ دیا ہے اور این آر او کو صرف پرویز مشرف کی ذاتیات سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے میں مسلم لیگ (ق) کا کوئی عمل دخل نہ تھا اور این آر او پیپلز پارٹی اور پرویز مشرف کے درمیان خفیہ ڈیل کا نتیجہ ہے۔ مقام افسوس کہ اس وقت دنیا کا ملک جو ہر قسم کے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور جس کے عوام محنت کش اور عظیم ہیں۔ اس کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مقروض ملکوں میں ہوتا ہے اور اس وقت آئی ایم ایف کے قرضوں میں پوری طرح جکڑا جا چکا ہے۔ پاکستان میں بیرونی قرضوں کی ریل پیل ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2008ء میں پاکستان نے ایشیائی ترقیاتی بینک سے 1.7 ارب ڈالر کا ریکارڈ قرضہ حاصل کیا اور 1966ء سے 2007ء تک ایشیائی ترقیاتی بینک سے حاصل کردہ قرضوں کی مالیت 9.8 ارب ڈالر تھی جو 2008ء تک 14 ارب ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔ ملک اس وقت ایشیائی ترقیاتی بینک، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور دیگر بین الاقوامی اداروں کا تقریباً 60 ارب ڈالر کا مقروض ہے اور یہ [illegible] ہوتا چلا جا رہا ہے اور ہماری حکومت کاسہ گدائی لے کر در در گھوم

رہی ہے اور اس طرح پاکستانی قوم قرضوں سے بوجھ میں بری طرح جکڑی جا چکی ہے اور اس وقت پاکستان کا ہر شہری 60 ہزار روپے کا مقروض ہے۔ یہ قرضہ اس وقت تاریخ سے انجوائی ٹرن اور سے گزر رہا ہے۔ اس کی معیشت تقریباً تباہ ہو چکی ہے۔ بجلی، گیس کی لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی، پٹرول کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کا پہیہ جام ہو چکا ہے۔ جس سے پاکستان کا ہر تیسرا شخص بے روزگار ہو گیا ہے اور خوبت فاقہ کشی تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان کی آدھی آبادی خط غربت سے کم آمدنی پر زندگی گزار رہی ہے جبکہ حکومت اپنی عیاشیوں پر اخراجات میں متواتر اضافہ کئے جا رہی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے اہم رہنماؤں نے اپنے آپ کو حفاظتی کٹہرے میں بند کر لیا ہے اور وہ اتنے خوفزدہ ہو چکے ہیں کہ عوام کا سامنا کرنے سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ بااثر افراد نے اپنی حفاظت کے لئے سرکاری خرچہ پر ہزاروں اہلکاروں کو تعینات کر رکھا ہے۔ سرکاری جہاز اور ہیلی کاپٹرز غیر ضروری تقریبات پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوامی مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ کرپشن عروج پر ہے۔ چھوٹی سطح سے اوپر تک ہر بااثر شخص اپنا حصہ وصول کر رہا ہے، عوام کا کوئی پرسان حال نہ ہے۔ بے ضابطگیوں کے حوالے سے 2007-2008ء کی ایک رپورٹ کے مطابق دفاعی پیداوار اور پی آئی اے میں 1 کھرب 60 ارب 32 کروڑ روپے کی کرپشن ہوئی۔ ریلوے میں 14 ارب 39 کروڑ روپے، اسٹیٹ لائف میں 1 ارب 80 کروڑ روپے، بورڈ آف ریونیو میں 1 کھرب 1 ارب روپے کی کرپشن کے ثبوت منظر عام پر آ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں وزارت تجارت کا مینہ ڈویژن، نیشنل پاور ریگولیٹری اتھارٹی، وزارت خزانہ اور دیگر محکمے بھی اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث ہیں، لیکن مقام افسوس کہ حکومت وقت این آر او کا سہارا لے کر پارلیمنٹ میں اس بل کو منظور کروا کر کرپشن میں ملوث لوگوں کو تحفظ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ امر حیران کن ہے کہ میاں نواز شریف جنہوں نے ہر شہری سے ٹیکس ادا کرنے کی اپیل کی

ہے۔ قومی اسمبلی سے اسمبلی کی نشست سے اپنے گوشوارے جمع کراتے ہوئے خواجہ شریف
ظاہر کیے ہیں وہ بھی عجوبہ ہیں جن میں انہوں نے صرف چند سو روپے انکم ٹیکس ادا کرنے کا ذکر
کیا ہے۔ اس سے وہ اپنے آپ کو درمیانے درجے کے کاروباری ظاہر کرتے ہیں۔ 1993-94ء
میں صدر محمد رفیق تارڑ نے 1 لاکھ 40 ہزار روپے انکم ٹیکس ادا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ یہی سال
تھا جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ارب پتی قرار دیا تھا۔ اس سال انہوں نے اپنی کل آمدنی
ظاہر کی ہے 1 کروڑ 85 لاکھ 37 ہزار روپے۔ اس میں سے 1 کروڑ 80 لاکھ روپے کی
آمدنی انہوں نے اپنی اہلیہ کی ظاہر کی ہے جو پاکستان سے لوٹ مار کر اپنا سرمایہ بیرون ملک
منتقل کر رہے ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جو کہ ان کی پارٹی سے اہم رہنما ہیں نے تصحیح فرمایا تھا۔
اگر نواز شریف، زرداری اور دیگر سیاستدان غیر ملکوں میں جمع شدہ اپنا سرمایہ واپس لے آئیں تو
پاکستان سے یہ صرف تمام قرضوں کا بوجھ اتر سکتا ہے بلکہ اس ملک کا شمار ترقی یافتہ ملکوں کی صف
میں ہو سکتا ہے۔ اس وقت سیاستدانوں، بیوروکریٹس، فوجی حکام اور دیگر افراد کا غیر ملکوں میں محفوظ
سرمایہ 200 ارب ڈالر سے قریب ہے جبکہ پاکستان 60 ارب ڈالر بیرونی قرضوں کا
مقروض ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ سیاستدان اور دیگر افراد اپنا غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ فوری طور پر
واپس لائیں۔ پاکستان کے بڑے سرمایہ کار میاں منشا نے 1 ارب ڈالر ملک میں لانے کی خوشخبری
دی ہے جبکہ دوسرے بڑے سرمایہ کاروں کے رہنما جو پاکستان کے دوسرے اور چوتھے امیر ترین
فرد ہیں نے ابھی تک غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ واپس لانے کی کوئی حامی نہیں بھری۔ مقام افسوس
ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی ابھی تک پاکستان میں سرمایہ کاری کا اعلان نہیں کیا ہے۔ دنیا کے کسی دیگر ملک کے سیاستدان ایسا نہیں کرتے۔
یہ صرف پاکستان میں ہوتا ہے۔ ان سے کہیں محدود سیاسی قدر پر انصار عباسی کا کالم "دروغ برگردن راوی" کے ساتھ
پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انصار عباسی لکھتے ہیں "سیاست کے لئے پاکستان" اگر گزشتہ دنوں نیو
[illegible] پر مطابق سابق وزیراعظم اور مسلم لیگ ن کے قائد نواز شریف نے قومی
[illegible] صفحہ 123 میں ظاہر کیے گئے کاغذات نامزدگی میں ظاہر کیا ہے کہ ان کے بینک
[illegible] روپے ہیں انہوں نے 2004ء سے 2006ء تک کوئی انکم ٹیکس
[illegible] گوشوارے دیئے گئے ہیں ان کے مطابق انہوں نے

[illegible] 135 روپے
[illegible] روپے ہیں جس میں
[illegible] روپے ہیں
[illegible] روپے ہیں
[illegible] روپے ہی

9,191 روپے ٹیکس ادا کیا۔ اس سال بے نظیر بھٹو صاحب نے اپنی کل آمدنی 439,062 روپے ظاہر کی اور 8,152 روپے حکومت پاکستان کو انکم ٹیکس کی مد میں ادا کئے۔ ٹیکس کے ریکارڈ کے مطابق اپنے کل اثاثہ جات کے متعلق صدر زرداری نے 1993-94ء میں ان کی مالیت 3,892,418 روپے دکھائی جبکہ اسی سال محترمہ بے نظیر بھٹو نے 4,570,738 روپے کل اثاثہ جات دکھائے۔ 1994-95ء صدر زرداری نے 12,175,771 روپے اور بے نظیر صاحب نے 14,248,194 روپے کے کل اثاثہ جات ظاہر کیے۔ 1995-96ء میں صدر زرداری کے کل اثاثہ جات کی مالیت 10,830,565 روپے اور بے نظیر بھٹو کی 16,525,660 روپے دکھائی گئی جبکہ 1996-97ء میں بڑھ کر صدر زرداری کے اثاثہ جات 18,736,892 روپے تک پہنچ گئے اور بے نظیر بھٹو صاحب کے کل اثاثہ جات 12,765,705 روپے۔ یاد رہے کہ ان اثاثوں میں صدر زرداری اور بے نظیر بھٹو صاحب کے ملک کے اندر اور ملک سے باہر تمام پیسہ اور جائیداد شامل کی گئی تھیں۔ ان تفصیلات کے مطابق صدر زرداری اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے پاس 1996-97ء میں کل تین کروڑ اور تقریباً 14 لاکھ مالیت کے اثاثے تھے۔

آج ہمیں پتہ معلوم نہیں کہ 2009ء میں جمع کرائے گئے اپنے ٹیکس گوشواروں میں جناب صدر آصف علی زرداری اور محترم نواز شریف صاحب نے حکومت پاکستان کو کتنا کتنا ٹیکس ادا کیا اور اپنے کل اثاثوں کی کتنی مالیت ظاہر کی۔ بظاہر صدر زرداری اور میاں نواز شریف کا شمار امیر ترین پاکستانیوں میں ہوتا ہے اور ان کے اثاثوں کی موجودہ مالیت بلاشبہ اربوں میں ہے۔ ایک طرف صدر زرداری کے اثاثوں کا بڑا حصہ اس ملک سے باہر ہے جس کے وہ اعلیٰ ترین حکمران ہیں۔ دوسری طرف میاں نواز شریف صاحب کے اثاثوں کا بھی ایک خاطر خواہ حصہ ملک سے باہر ہے [illegible] میاں شہباز شریف، حسین نواز اور حسن نواز نے پاکستان سے پیسہ لے جا کر سعودی عرب اور [illegible] صدر زرداری کے تینوں بچے بھی ملک سے باہر ہیں۔ ایک دبئی

میں اور دو برطانیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

اطلاعات کے مطابق پاکستانی سیاست کا ایک اور اہم کردار چوہدری شجاعت حسین اور ان کے چچازاد چوہدری پرویز الٰہی نے بھی حالیہ سالوں میں اپنے بیٹوں کو برطانیہ بھیجا اور وہاں وہ زیر تعلیم ہیں۔ چوہدری برادران کے سیاسی آقا اور جنگوز خان ثانی جنرل (ر) اشرف جان کا تعلق ایک Lower middle class خاندان سے تھا۔ آج وہ اربوں روپے کا مالک ہے۔ دنیا کے مہنگے ترین علاقے میں قیمتی فلیٹ خرید لیا اور ایک بیرونی جریدے کے مطابق ایک بین الاقوامی Food chain میں پیسہ لگایا۔ اشرف کی طرح ان کا بھگوڑا اور زیر اظر شہرت رکھنے والا بھی اپنی تمام تر دولت کے ساتھ برطانیہ میں مکمل سکونت اختیار کئے ہوئے ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین پچھلے کئی سالوں سے برطانیہ میں قیام پذیر ہیں۔ نیٹو ممالک ان کی ذات کی جانب سے پاکستان دشمن تقریریں اور ایجی ٹیشن اور انہوں نے یہاں کتنی سرمایہ کاری کی۔ اگرچہ الطاف حسین کا شمار بھی بڑے سرمایہ دار اور ارب پتی سیاستدانوں میں نہیں ہوتا مگر اسلام آباد میں ایک حکومتی وزیر کا حوالہ دیتے ہوئے ایک اخبار نے بتایا کہ الطاف حسین نے لندن میں اپنے ایک خاندانی جھگڑے کے عدالت کے باہر تصفیہ کے لئے 15 لاکھ برطانوی پاؤنڈ ادا کئے۔ اگر یہ اطلاعات غلط اور بے بنیاد ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ایم کیو ایم صورتحال کی وضاحت کرے گی۔

اب جبکہ ملک کے بڑے بڑے سیاست دان برائے نام ٹیکس دیں اور اپنے سرمائے اور کاروبار کے لیے پاکستان پر اعتماد نہ کریں اور اس سلسلے میں غیر ممالک کا انتخاب کریں تو پھر ہم پاکستانی ٹیکس کیوں دے اور بیرون ملک سے کوئی سرمایہ دار پاکستان کیونکر آئے گا۔ صدر زرداری بیرونی سرمایہ کاری کے لئے اکثر بیانات دیتے رہتے ہیں اور میاں نواز شریف امریکی اور بیرونی قرضوں کے خلاف قوم کو اٹھ کھڑا ہونے کا درس دے رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں لیڈر اور دوسرے سیاستدان اپنا سرمایہ پاکستان کے اندر لائیں گے۔ کیا وہ اپنے بچوں سے کہیں گے کہ

ملک کے اندر سرمایہ کاری کریں اور اپنی حیثیت کے مطابق پاکستان کو ٹیکس دیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا
ہے پاکستانی اور غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان پر برحق جواب ہوں گے کہ وہ کیوں ٹیکس ادا کریں
یہاں کاروبار کے لئے سرمایہ کاری کریں۔ اگر پاکستان کی فضا ایک عام کاروباری اور سرمایہ
لئے مناسب نہیں تو یہ سیاستدان اور حکمران اس کو بہتر بنانے میں کیسے مخلص ہو سکتے ہیں۔ یہ
اپنے سرمائے اور کاروبار کیلئے دوسرے ممالک کو محفوظ سمجھتے ہوں۔ یہاں تو ہمارا ماضی اور حال یہ
بتاتا ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی سے دیئے گئے ٹیکسوں
نہ صرف بیرونی دوروں اور اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں بلکہ قوم کی دولت سے اربوں کرپشن
کی لوٹ کھسوٹ میں کھلے عام اور بغیر کسی ڈر و خوف کے ملوث ہوتے ہیں۔ ہم عوام کے ساتھ جینے
مرنے کا قصہ کرنے والے سیاستدانوں کو اپنے قول و فعل کا تضاد ختم کرنا ہوگا اور ان کو پاکستان کو
پاکستان سمجھنا ہوگا۔ خدارا ہمیں محض نعرے مت دو۔

اس مرحلے پر ہماری خصوصاً میاں صاحب سے، چوہدری صاحبان سے، زرداری صاحب
سے یہ جائز درخواست ہے کہ وہ بیرونی ممالک میں موجود اپنے سرمائے کا کم از کم نصف پاکستان سے
آئیں۔ انشاء اللہ یہ ملک قائم رہے گا اور آپ کی بادشاہتیں بھی وقتے وقتے سے چلتی رہیں
گی۔

(دسمبر 2009)

القاعدہ نہیں، سونے کے ذخائر

چند روز قبل امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے نمائندے کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ طالبان نے بلوچستان میں ملا عمر کی سربراہی میں "طالبان کوئٹہ شوریٰ" بنالی ہے جو افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کی حالیہ تمام کارروائیوں کی منصوبہ ساز اور خالق ہے۔ جس کی وجہ سے امریکی حکام بلوچستان پر ڈرون حملوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ مذکورہ اخبار نے واضح طور پر لکھا کہ امریکہ بلوچستان کو اپنا ٹارگٹ بنا سکتا ہے، اس کے بعد ملک بھر میں بلوچستان پر ڈرون حملوں کے امکانات کے حوالے سے اخبارات میں بیان بازی اور مکالموں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے جب مغربی ذرائع ابلاغ نے ملا عمر کی کوئٹہ یا بلوچستان میں موجودگی پر بریں شائع کی ہوں، تاہم ماضی میں امریکی حکومت نے اس طرح کے پروپیگنڈے پر کبھی کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اب امریکی حکام کی طرف سے آنے والے بیانات صورت حال کی سنگینی کا پتہ دیتے ہیں۔ جن میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ "طالبان اور القاعدہ نے بلوچستان میں محفوظ پناہ گاہیں بنالی ہیں جن کے خلاف کارروائی کے لئے سنجیدگی سے غور کیا جا رہا

حامد
اردو فینٹ
کیلئے

[illegible] ہوگیا ہے۔ (اب اس طرح کا ردعمل اصلی نہیں ہے بلکہ ایک خاص قوت سے
[illegible] ہوا ہے) حکومت نشواں اپولیشن نے نیا پارٹ نامی نیز بلوچستان میں طویل مدت سے
[illegible] والی بلوچیت سے خلاف آپریشن آرمی سے ویسے ہی ناراض ہیں بلوچستان کی
[illegible] اسمبلی نے قرارداد مذمت منظور کی ایران نے بھی اپنی فورسز بلوچستان میں داخل ہونے سے روک دیا
ہے۔ بہرحال امریکی وزارت خارجہ نے نیا پارٹ نامی نیز وفاقی اختیار قرار دیتے
ہوئے واضح کیا کہ امریکہ بلوچستان میں فورسز بھیجنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور بلوچستان اسمبلی سے
تحفظات دور کرنے کے لئے اسلام آباد میں تعینات خاتون امریکی سفیر ANNE
PATTERSON فوری طور پر وہاں پہنچی۔ وہاں اس نے بلوچستان سے وزیراعلیٰ نواب اسلم
رئیسانی سے ملاقات کی۔ بعدازاں امریکی سفارت خانے سے ایک بیان جاری کیا گیا کہ
"مذکورہ ملاقات UNHCO کے کوئٹہ میں نمائندے جان سولیکی کی رہائی سے حوالے سے تھی اور
اس ملاقات کا "طالبان قیادت" کی بلوچستان میں موجودگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

یہاں جان سولیکی کے کوئٹہ سے اغوا کا ذکر کرتا چلوں جس کی 2 فروری 2009ء دن
دیہاڑے اغوا سے لے کر 65 دن بعد رہائی تک کی پراسرار کہانی کسی بھی طرح داستان طلسم ہوشربا
سے کم نہیں۔ اندازہ لگائیے پروپیگنڈہ طالبان کے امیر ملا عمر کی کوئٹہ میں موجودگی اور کوئٹہ شوریٰ کا
تھا۔ لیکن امریکی شہریت رکھنے والے کٹر یہودی جان سولیکی کا اغوا ملیحدگی پسند بلوچوں سے حصہ
میں آیا۔ جو اس کے بدلے 41 بلوچ خواتین کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے اور اس مضحکہ خیز
مطالبے کو پورا نہ ہونے پر یرغمالی کو قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں اور مدت مطالبہ میں اضافہ بھی
جاری رہا۔

آخر کار دو ماہ پانچ دن بعد جان سولیکی کی رہائی عمل میں آئی تو اس کی صحت دیکھ کر خود مغربی
دانشور تبصرہ نگار کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "لگتا ہے جان سولیکی بھی رخصت پر تھا۔"

[illegible] ہوگیا ہے۔ اس نے اپنے لئے نام "تحریک طالبان بلوچستان
[illegible] 4 مارچ 2009ء کو کوئٹہ میں کئی ہم آوازی سے
[illegible] نام سے بلوچستان میں طالبان تحریک کی موجودگی اور اس سے منسلک ساہ
[illegible] 14 مارچ کو امریکہ سے وزیر دفاع
رابرٹ گیٹس نے پریس کانفرنس سے دوران بلوچستان میں طالبان تحریک سے متعلق سوال سے
اب میں کہا
"WELL, I THINK WE ALL HAVE A CONCERN
ABOUT THE (QUETTA SHURA) AND THE ACTIVITIES
OF THE TALIBAN IN THAT AREA, BUT I THINK THIS
IS PRINCIPALLY A PROBLEM AND A CHALLENGE
FOR THE PAKISTANIS TO TAKE ON AND AS WE
HAVE INDICATED, WE ARE PREPARED TO DO
ANYTHING TO HELP THEM"

اس پریس کانفرنس سے دو چیزیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ بلوچستان میں جو بھی
[illegible] نئی پالیسی نافذ ہوگی۔ نئی امریکہ نے بلوچستان پر از خود حملوں سے واضح طور پر
[illegible] رابرٹ گیٹس نے "تحریک طالبان بلوچستان" کو "کوئٹہ (بلوچستان) شوریٰ" سے
[illegible] تھا۔ تاہم بلوچستان سے طالبان کی
[illegible] نام پسند کر لیا۔ خیر رابرٹ گیٹس کی پریس کانفرنس
[illegible] 17 مارچ کو بھرپور سرخی کے ساتھ تفصیلی خبر شائع کی
[illegible] بلوچستان تک [illegible] منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اگر یہ خبر
[illegible] تو پھر [illegible] پاکستانی عوام کا ابتدائی ردعمل

...ہیلری کلنٹن کی ملاقات کے بعد امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ہلری کلنٹن اور حامد کرزئی کے درمیان ملاقات کے دوران بلوچستان میں طالبان تحریک سے متعلق سوال پر ...

WELL, I THINK WE ALL HAVE A CONCERN ABOUT THE (QUETTA SHURA) AND THE ACTIVITIES OF THE TALIBAN IN THAT AREA. BUT I THINK THIS IS PRINCIPALLY A PROBLEM AND A CHALLENGE FOR THE PAKISTANIS TO TAKE ON AND AS WE HAVE INDICATED, WE ARE PREPARED TO DO ANYTHING TO HELP THEM"

...ن کا خوش کن دعویٰ دو چیزیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ بلوچستان میں جو بھی ...ی بلوچستان کو نشانہ بنائے گا۔ یعنی امریکہ نے بلوچستان پر ازخود حملوں سے واضح ...ت کی۔ دوسرے نمبر پر کلنٹن نے "تحریک طالبان بلوچستان" کو "کوئٹہ (بلوچستان) شوریٰ" ...ا ...ا ...ا

واپس آتے ہیں موجودہ صورت حال کی طرف، کیا واقعی بلوچستان میں طالبان یا کوئٹہ شوریٰ
نامی کوئی تنظیم موجود ہے یا یہ سب کچھ فریب، بھوت اور دھوکہ سلے پر مبنی ہے؟ اور کیا واقعی امریکہ
بلوچستان میں ڈرون حملوں کی تیاری کر رہا ہے؟ اس حوالے سے "ایشیا ٹائمز" نے اپنی رپورٹ
میں دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ بلوچستان میں القاعدہ و قیادت یا طالبان کی موجودگی کا نہیں بلکہ سارا معاملہ
امریکی معیشت کی بحالی کا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکی معیشت کا دارومدار جدید ٹیکنالوجی کی حامل
عسکری صنعت اور اسلحہ سازی پر ہے۔ جس کے ساتھ دیگر بہت سے کاروبار وابستہ ہیں۔ ایک
طرف عالمی کساد بازاری اور پھر عراق میں جنگ بندی کے بعد امریکی فوج کے انخلاء نے
امریکہ کی دفاعی پیداواری صنعت کو مزید پستی میں دھکیل دیا ہے۔ جس کے بعد اوبامہ انتظامیہ باؤ
میں ہے کہ وہ گرتی ہوئی دفاعی صنعت کو سہارا دے اور جنگ کے لئے نیا میدان تلاش کرے۔ ورنہ
جنگ و جدل سے منسلک لاکھوں امریکیوں کی نہ صرف روزی بند ہو جائے گی ساتھ ہی جدید
ٹیکنالوجی پر پیش رفت کو بھی دھچکا لگے گا۔ "ایشیا ٹائمز" کے مطابق پینٹاگون نے دو سال قبل "سان
ڈیگو" میں واقع بغیر پائلٹ طیارے بنانے والے ادارے "جنرل اٹامک کمپنی" کو ایسے ڈرون
بنانے کا آرڈر دیا تھا جو زیادہ طویل عرصے تک فضا میں پرواز کر سکے۔ اس میں نصب کیمروں کی
پکچر کوالٹی پہلے سے بہتر ہو اور یہ ڈرون طیارے زیادہ تعداد اور وزن کے بم و میزائل اٹھانے کی
صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایک طرف تو اس پروجیکٹ کو منافع بخش سمجھتے ہوئے بڑے امریکی کنسورشیم
نے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر دی، دوسری طرف عراق سے فوجی انخلاء کے بعد وہاں ڈرون
طیاروں کی پروازوں کا سلسلہ جو کہ 16 سے 20 گھنٹے یومیہ پر محیط تھا وہ بند ہوا تو ساتھ ہی امریکہ
[illegible] سے اڑنے والے پروازوں کو کنٹرول کرنے کا دورانیہ بھی نصف ہو گیا۔ اسی طرح
[illegible] افغانستان و پاکستان میں پروازوں کے دوران ہر ماہ 16 ہزار گھنٹوں
[illegible] عراق سے فوجوں کی واپسی کا عمل شروع ہوتے ہی پینٹاگون نے

ڈرون طیاروں کی خریداری کے نئے آرڈر معطل کر دیئے۔ جس پر کنسورشیم سے منسلک
امریکی سرمایہ کاروں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور ساتھ ہی تجویز پیش کر دی کہ پاکستان میں
ڈرون آپریشنز بڑھائے جائیں۔ امریکی بااثر سرمایہ کاروں سے دباؤ میں آکر امریکی کانگریس کی
دفاعی کمیٹی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں ڈرون حملوں کا دائرہ بڑھایا جائے۔
"ایشیا ٹائمز" کے مطابق اگر صدر اوبامہ بلوچستان میں ڈرون حملوں کا اجازت نامہ جاری کر دیتے تو
اس طرح ایک تو ڈرون طیاروں سے منسلک صنعت کو سہارا مل جاتا، دوسرا امریکہ و جدید
ٹیکنالوجی کی آزمائش کا موقع ملتا۔ کیونکہ بلوچستان میں مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے
طیاروں کی پرواز کا دورانیہ بڑھ جائے گا اور صوبہ سرحد میں نئی کے اڈوں سے تیار شدہ گھاٹ کی
نسبت کوئٹہ میں ان طیاروں کو پختہ گھروں اور سنگلاخ چٹانوں کا سامنا ہوگا۔ جن کے لئے زیادہ
وزن اور طاقت کے بم یا گائیڈڈ میزائل اٹھانے والے ڈرون درکار ہوں گے۔ بہرحال مندرجہ بالا
نقطہ نظر "ایشیا ٹائمز" کا ہے، تاہم بعض عالمی مبصرین امریکہ کی بلوچستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا
اصل سبب گوادر کی بندرگاہ اور ضلع واشک میں نوشکی (چاغی) میں پائے جانے والے سونے کے
ذخائر کو قرار دیتے ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا صوبہ بلوچستان میں غربت و پسماندگی کے نام پر حالیہ شورش کی ابتدا
2002ء میں اس وقت ہوئی۔ جب ایک معاہدے کے تحت چین نے گوادر کے ساحل پر بندرگاہ
کی تعمیر کا آغاز کیا، کیونکہ قدرتی گہرے سمندر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر ہمارے کسی ہمسائے کو
قبول نہیں تھی۔ جبکہ بہت سے ملکوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھنے والے گوادر کے ساحلوں تک
پہنچنے کی کوشش میں سوویت یونین جیسا طاقتور ملک خواب کی طرح بکھر گیا۔ گوادر بندرگاہ کی تعمیر پر
بھارت سب سے زیادہ ناخوش تھا۔ بھارتی ایماء پر چند قوم پرست سرداروں نے مخالفت کا وہ انداز
اور موقف اپنایا جو کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف چند معروف وڈیروں نے اختیار کیا تھا اور آخر کار

پاکستانی زراعت و معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے اس اہم منصوبے کو ور
غلانے ڈوبانے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود بندرگاہ کی تعمیر
مقررہ کردہ مدت سے بھی پہلے مکمل ہو گئی۔ گوادر کے لئے چین کو اپنے بہت سے شہریوں،
انجینئروں کی جانوں کی قربانی دینی پڑی۔ بھارت کی طرف سے ہمسایوں کے اندرونی معاملات
میں مداخلت کا یہ عالم ہے کہ 28 مئی 2008ء کو بھارتی لوک سبھا (پارلیمنٹ) سے طویل بحث
مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کرائی گئی جس میں گوادر بندرگاہ کو بھارتی سلامتی کے لئے
خطرہ کا قرار دیتے ہوئے اس کے تدارک کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ تدارک مختلف طرز کے حملوں کی صورت میں تھا۔ مثلاً بلوچستان میں مسلح مداخلت آباد
کاروں، ترقیاتی منصوبوں پسندوں کی طرف سے اہم سرکاری و دفاعی تنصیبات پر حملے، صوبہ سرحد قبائلی
علاقوں میں دہشت گردوں کی عسکری و مالی امداد اور پاکستان کے طول و عرض میں دھماکوں، خودکش
حملوں کو فروغ دیا گیا۔ بھارتی سازشیں اپنی جگہ، امریکہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ چین کی معاشی و دفاعی
"طاقت بن" گوادر تک دراز ہو جائے۔

اب آیئے سونے کے ذخائر کی طرف، بلوچستان میں ایکوڈک ضلع چاغی کا پسماندہ ترین
علاقہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر پاکستان کے ان دور دراز اور
پسماندہ ترین علاقے میں موجود ہیں جہاں سے سونا نکالنے کا کام 2006ء سے جاری ہے۔ سونا
نکالنے کا ٹھیکہ ابتدا میں "بیرک گولڈ" کو دیا گیا تھا جس نے چھ عرصہ بعد "ایکوڈک
ڈویلپمنٹ" کے نام سے سونا نکالنے کا کام آسٹریلیا کی کمپنی "میتھیان کاپر" اور چلی کی کمپنی
"ویلے" (یہ دونوں کمپنیاں امریکہ میں رجسٹرڈ ہیں) جبکہ اکثریتی
حصہ "بیرک گولڈ" کمپنی کے سربراہ "جارج واسٹی" نے اپنے پاس رکھے۔ دنیا
[illegible] کے منصوبے کا افتتاح اس وقت ہوا۔ جب 11 مئی

2006ء کو امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے "بیرک گولڈ" کمپنی کے مالک "جارج واسٹی"
کی پریس کانفرنس شائع کی۔ جارج نے کہا "ہم نے سونا یا تانبا [illegible] سونے اور
تانبے کے ذخائر پاکستان میں موجود ہیں جن کا ایک حصہ بیرک گولڈ نے خرید لیا ہے۔ اس کے
باوجود کہ پاکستان کے ان علاقوں کا انتظام و انصرام [illegible] ہے۔ اس سے
ہمیں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا ہے۔

بعد ازاں منظر عام پر آنے والی رپورٹس سے ظاہر ہوا کہ ان علاقوں میں آمد کے ساتھ
ہی ان کے مقامی باشندوں سے جھگڑے شروع ہو گئے۔ جھگڑے کی وجہ یہ تھی کہ بیرک گولڈ
امریکی مالکوں نے پروجیکٹ پر کام کرنے والے مقامی افراد کو فارغ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جھگڑا
بڑھا تو ان آبادیوں کو القاعدہ و طالبان کی پناہ گاہیں قرار دے دیا گیا۔ اس پر بھی چوفی سے قریب
لوگ اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوئے تو پروجیکٹ پر کام کرنے والے امریکیوں نے اپنی سیکیورٹی
کے لئے "بلیک واٹر" (XE) سے معاہدہ کر لیا۔ جس کے بعد بلیک واٹر کے مسلح باشندوں نے
ایکوڈک پہنچ کر سونا نکالنے کے پروجیکٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ بلیک واٹر سیکیورٹی کے مسلح
افراد کی پاکستان میں براہ راست پہلی آمد تھی۔ ان مسلح افراد نے پروجیکٹ کے گرد خاردار تاریں
بچھا کر اس کے اندر "ہیلی پیڈ" اور چھوٹے طیاروں کی "لینڈنگ" اور "ٹیک آف" کے لئے
"موبائل رن وے" بھی قائم کر لیا (کیا بلیک واٹر سیکیورٹی کے مسلح افراد یہ سونے کی کانوں پر کام
کرنے والے دیگر غیر ملکی حکومت پاکستان کی اجازت سے آتے جاتے ہیں یا قریب ہی واقع
سرحد سے پار افغانستان میں موجود فوجی اڈوں سے براہ راست ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری
رہتا ہے۔ اس کا علم ہماری وزارت داخلہ و خارجہ و بلوچستان و صوبہ سرحد کی انتظامیہ اس کے
بارے میں بہتر جانتی ہو گی۔ جس نے غیر ملکی کمپنیوں کو سونا نکالنے کی اجازت دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بلوچستان
دہشت گردی کے مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ جبکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ دونوں مسائل خود ساختہ اور ان کے

پچھ ہو، ولی سارے وفاقی، پہلا مسئلہ بلوچ عوام کی پسماندگی اور معاشی محرومیوں کا ہے جن
سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ بلوچستان سے چنے بڑے قبائل ہیں ان
سے سردار یا منتخب (فراڈ 1947ء سے ہی اقتدار سے مزے لوٹ رہے ہیں۔ خوشحالی ان کے گھر کی
لونڈی ہے تو خوش حالی پیدا ہونے ہی روح کی طرح ان میں حلیل ہو جاتی ہے۔ صحت ہو یا تعلیم ہو
یا دیگر سہولتیں یہ صرف ان پر مہربان رہتی ہے۔ ان کے برعکس غریب کا مقدر اس کے پیدا
ہوتے ہی پھوٹ جاتا ہے۔ بیماری، جہالت، لاچاری، افلاس و پسماندگی نسل در نسل ان کا پیچھا
کرتی ہے۔ صرف بلوچستان ہی کیوں دیگر صوبوں کا بھی یہی عالم ہے جہاں کا متمول طبقہ خود تو
پیدائش سے ہی تعلیمی اداروں سے ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور اپنے دائرہ اختیار میں آباد
غریبوں کو بنیادی انسانی ضروریات کی سہولتیں دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ غریب کو بھوکے
ننگے کی طرح اس تک پہنچنے نہ پائے۔ بہرحال یہ سلسلہ شاید اس طرح چلتا رہے گا۔ بلوچستان میں
بڑھنے والی شدت پسندی جو کہ غریب بلوچ عوام کی طرف سے محرومیوں کا ردعمل قرار دے کر بڑے
بڑے سردار اقتدار کے ایوانوں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ رہ گئی کوئٹہ شوریٰ یا بلوچستان میں
القاعدہ و طالبان قیادت کی موجودگی کا معاملہ تو یہ پاکستان کو کیری اوگرمل پر راضی کرنے اور بلیک
واٹر (XE) کی موجودگی برداشت کرانے کے لئے دباؤ کا ہتھکنڈہ ہے۔ امریکہ جو خود افغانستان
میں اپنی تمام تر جدید جنگی مشینری اور نیٹو افواج کی معاونت کے باوجود شکست سے دوچار ہے۔
طالبان تحریک کا [illegible] فیصد علاقہ طالبان کے قبضے و کنٹرول میں ہے تو پھر
[illegible] قیادت کی موجودگی میں افغانستان میں موجود ہونا چاہیے۔ ہمیں عالمی رائے عامہ کو بتانا
[illegible] دہشت گردی کے خلاف جنگ سے دوران طالبان کو افغانستان سے باہر نکل کر روپوش
[illegible] قیادت کو بلوچستان میں پناہ دی تھی۔ ان کی تین لاکھ فوج برسرپیکار تھی اور وہ خطے کو اچھی طرح
[illegible] افغانستان ان کی دسترس میں تھا۔ وہ طالبان سات سمندر پار سے

آئے امریکیوں سے ڈرے (جن کی نیٹو افواج سے برسرپیکار ہے نہ ان کو افغانستان سے
پہاڑی چپے چپے سے واقف ہیں) یہاں مفروروں کے لئے میں خطے میں پرامن عوام کی
مرضی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے لیکن اس کے لئے امداد سے مالا مال ہونے والی امریکی بھیک نواز
میڈیا قوم کی طرح خاموشی اختیار کرے گا۔

(2009ء)

اردو فیڈ
کیلئے

30 ارب کے نئے ٹیکس

[illegible] میں بجلی، گیس اور پانی کے بحرانوں کے بعد اب کھانے پینے کی اشیاء کے بحرانوں نے بھی جنم لینا شروع کر دیا ہے۔ گزشتہ کئی ماہ سے چینی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد عوام نے احتجاج شروع کیا تھا۔ میڈیا میں آنے کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان نے معاملے کا نوٹس لیا [illegible] سے ملک بھر میں چینی 40 روپے کلو فروخت کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ بعد ازاں مل مالکان اور حکومت کے مابین معاہدہ بھی ہوا جو سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا۔ معاہدے میں کہا گیا تھا کہ حکومت [illegible] مل کر چینی کی 40 روپے کلو فروخت کو یقینی بنائیں گے۔ پھر صوبائی حکومتوں نے بھی [illegible] فروخت کی چیکنگ بھی شروع کر دی، مگر چینی 40 روپے کلو تو کیا فروخت ہوتی، مارکیٹ سے [illegible] ہی غائب ہو گئی۔ معاہدے سے قبل مارکیٹ میں چینی 48 تا 55 روپے عام دستیاب تھی اور اب اگر کہیں ملتی بھی ہے تو 80 تا 100 روپے کلو ملتی ہے۔ بعض علاقوں میں تو چینی سرے سے ہے ہی نہیں۔ [illegible] وفاقی حکومت نے 10 لاکھ ٹن چینی درآمد کرنے کا اعلان کیا ہے جبکہ سپریم [illegible] آف پاکستان نے [illegible] سے پہلے صوبہ سندھ کی 31 شوگر ملوں نے 2008-09ء میں 9 [illegible] سے چینی تیار کی تھی اور پنجاب کی کل 38 شوگر ملوں کے پاس 32 ہزار 166

[illegible] چینی موجود تھی مگر پھر بھی حکومت نے [illegible] سے بعد اچانک چینی غائب ہو گئی اور بدترین بحران پیدا ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ قبل ازیں شوگر ملز میں بھی چینی کا بحران پیدا ہوا تھا اور اس وقت بھی چینی کی صنعت پر سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والوں کی اجارہ داری قائم تھی اور وزراء اور پارلیمان سے ارکان نے شوگر ملوں سے مالک ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چینی کی قیمتیں بڑھانے کے لیے چینی کا مصنوعی بحران پیدا کیا تھا، پھر معاملہ اٹھنے پر چینی سے بحران ختم ہوا تھا اور واقعی ان مل مالکان کی حکومت نے تحقیقات کرائی تھیں جب ایسے [illegible] چینی بحران کی تحقیقات شروع ہیں تو حکومت نے تحقیقات روک دیں۔ اب اس صنعت میں شامل کئی وزراء اور ارکان پارلیمان کی بھی شوگر ملیں ہیں تو کیا اب بھی چینی سے مصنوعی بحران سے پس پشت مل مالکان اور حکومت کے کارندوں کا ہی ہاتھ ہے۔ اس سوال کا جواب اس حقیقت سے مل سکتا ہے۔ شوگر ملز مالکان کا کہنا ہے کہ ہم نے چینی کا ذخیرہ نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے پاس 35 روپے کلو سے اب تک چینی موجود ہے۔ دوسری طرف ڈیلروں کا کہنا ہے کہ وہ کاروباری 39 روپے فی کلو چینی فروخت کر رہے ہیں مگر وہ کاروباری مالکان سے براہ راست فروخت کر رہے ہیں جبکہ کاروباری کہتا ہے کہ ڈیلر چینی 55 روپے سے 60 روپے تک دے رہے ہیں۔ اس لیے ہم 75 روپے سے 80 روپے فروخت کر رہے ہیں۔ معاملے کا ایک اور رخ دیکھیں تو حکومت کاروباری کو تو روک سکتی ہے یونین کونسلوں پر چینی کی فراہمی میں ناکام ہو چکی ہے۔ جن یونین کونسلوں پر چینی تھوڑی بہت دستیاب ہے وہاں بھی یا تو کاروباری کو فروخت کی جاتی ہے یا پھر صبح سے شام تک لوگ لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان کی باری آتی ہے تو یونین کونسل والے کہہ دیتے ہیں کہ چینی ختم ہو گئی پھر لوگ احتجاج پر مجبور ہو جاتے ہیں جس پر انہیں پولیس کی لاٹھیاں بھی کھانی پڑ رہی ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کے آبائی ضلع خیرپور میں بھی چینی کا بحران موجود ہے۔ چینی کی

قیمت فی کلو روپے 65 سے 80 روپے مقرر کی گئی ہے مگر وہ ان قیمتوں پر دستیاب نہیں۔
مختلف علاقوں میں آٹے کی بوری سے لے کر چھوٹے تھیلے فروخت ہو رہے ہیں۔

روزمرہ استعمال کی چیزوں کے مطابق خیرپور میں دکانوں پر چینی 65 روپے سے 80 روپے فی کلو دستیاب ہے جبکہ کئی علاقوں میں 90 روپے فی کلو بھی وصول کر رہے ہیں جبکہ ذخیرہ اندوز سے چینی بھی سرکاری ریٹ سے پراڈکٹ کنٹرول کمیٹی کا جاری کردہ کوئی لینے نہیں دے رہا۔ دودھ کی صرف چینی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد چائے کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ ہوٹلوں پر چائے فی کپ 15 روپے سے 20 روپے کا ہو گیا ہے جبکہ گڑ کی قیمتوں میں اضافے سے ساتھ ہی ان کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ کیک، بسکٹ اور گھریلو مٹھائی کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت خیرپور میں مرغی 65 روپے فی کلو اور انڈے 55 روپے فی درجن دستیاب ہیں۔ جس سے شہری سخت پریشان ہیں۔ خیرپور ضلع کے دوسرے متعلقہ علاقوں اور چھوٹے بڑے شہروں، گمبٹ، کنگری، کوٹ ڈی جی، کھپرو، رانی پور، ٹھٹھہ، سندھڑی، پیر جو گوٹھ، فیض گنج، پاڈ چانگ، میرو خان، جمڑاؤ جتوئی، ماڈل پرو، ڈاہری، ڈوڈ دارو، ڈاہرا، ڈاہرجو، ٹوبہ، ٹیرو، صحرائی علاقوں میں بھی یہ اشیاء عام گنجائش کی بنا پر عوام کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہیں۔

80، 90 روپے فی کلو دستیاب ہے اور حیرت اور تشویش کی بات یہ ہے کہ حکومت اور ضلع انتظامیہ اس صورتحال پر مکمل خاموش ہیں اور خیرپور کے عوام یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ [illegible] نے عوام کو بھوک، بدحالی، گیس، بجلی، پانی، چینی اور آٹے [illegible] دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت عوام دو وقت کی روٹی کھانے [illegible] ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ انتخابات سے قبل عوام سے شہید بے نظیر بھٹو [illegible] ہے یہ تھا کہ انہوں نے عوام کو بھلا دیا ہے اور اب صرف اپنی کرسی بچانے کے

[illegible] ہیں۔ خیرپور [illegible] کے عوام نے [illegible] ہے۔ وہ [illegible] بے نظیر بھٹو سے [illegible] پر مکمل [illegible] کی [illegible] ہیں [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] وہ ان [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] وہ [illegible] پوری [illegible] نہیں [illegible] گا۔

کسی بھی ترقی پذیر ملک سے [illegible] ہوتی ہیں [illegible] سے اپنے قومی [illegible] کر کے اس سے قرض [illegible] ہے۔ [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار

۱۱ بجے دوپہر سے زخموں پر پنجاب بینک فراڈ کیس کی سماعت کرتے ہوئے
بینک آف پنجاب جناب جسٹس افتخار احمد چودھری کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے ایف
آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل طارق کھوسہ کو وزیراعظم مخدوم سید یوسف رضا گیلانی کے حکم پر تبدیلی
کا نوٹس جاری کیا ہے۔ طارق کھوسہ کو تبدیل کرکے اچھے کام کی روایت
کی۔ عدالت نے چھ ماہ مقرر کیے ہیں لیکن عدالت نے یہ واضح نہیں کیا کہ
مقدمہ کو ان چھ ماہ کے اندر نمٹانا ہوگا یا نہیں۔ عدالت عالیہ نے کہا کہ
طارق کھوسہ کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے اس لیے انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔

طارق کھوسہ کے خلاف کیا الزامات ہیں جن کا گناہ کیا تھا؟ صرف یہ کہ
انہوں نے نیشنل بینک آف پنجاب بینک کے بڑے بڑے نادہندگان کا خون چوسنے اور ہڈیاں چبانے والے
مگرمچھوں کی بڑی بڑی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جو اعلیٰ سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے
عدالت سے حکم امتناعی حاصل کرکے بینک کی دسترس سے باہر تھیں۔ ان بڑے نادہندگان میں
سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے فرزند علی موسیٰ گیلانی بھی شامل ہیں جنہوں نے بینک سے 9 ارب روپے کا فراڈ کرکے فرار
ہونے سے قبل اپنی بیوی کے نام پر ایک کروڑ روپے کا تحفہ دیا۔ ظاہر ہے اب وہ یہ رقم کسی دوسرے ذریعے سے
واپس کریں گے۔ ان کی گرفتاری سے خود بخود ہی یہ معاملہ حل ہو جاتا۔ اس لیے وزیراعظم نے
طارق کھوسہ کو ہٹانے کا حکم دیا۔ ایک نیوز چینل نے دعویٰ کیا ہے کہ وزیراعظم کے بیٹے نے
طارق کھوسہ کو ایک وزیر مملکت کی گرفتاری کی اجازت نہ دینے پر دھمکیاں دی تھیں۔ وزیراعظم
کے بیٹے کے آخری ٹارگٹ کی تفصیلات یہ ہیں کہ ایف آئی اے کی ٹیم نے پوش علاقوں میں
واقع ان کی بے تحاشا جائیدادوں کے ثبوت حاصل کرلیے تھے اور اپنی رپورٹ پیش کرنے میں مصروف تھی۔
ذرائع کا کہنا ہے کہ کھوسہ اب قانون پر عمل کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نیشنل بینک کے تمام فراڈیوں
کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ جو انکوائری رپورٹ میں قصوروار پائے گئے ہیں۔ ان میں
نیشنل بینک کا سابق چیئرمین بھی شامل ہے۔ جس وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی میں
اپنی تقریر کے دوران ڈس مس کردیا تھا۔ بنایا جانے والا چیئرمین اسد مجید بہت سے حلقوں
کی نظر میں ایک پراسرار شخصیت ہے۔ بینک پروفائل کیسوں کی تحقیقات کے
دوران ذرائع بتاتے ہیں کہ ایف آئی اے کی تبدیلی نے نہ صرف مختلف حلقوں کو حیران کردیا ہے بلکہ ایف آئی
اے چیف کا مزاج سوالیہ نشان ہوگا جبکہ ادارے کی ساکھ پہلے ہی کمزور پڑ چکی ہے۔

طارق کھوسہ کی جگہ ظفر اللہ خان کو لایا گیا ہے۔ جن کے اچھی شخصیات کے ساتھ تعلقات سندھ
میں سروس کے دوران نواب شاہ بعد ازاں بدین اور سکھر میں تعیناتی سے چلے آرہے ہیں۔ دیگر

مقدمات جن پر تفتیش جاری تھی ،،،وفاقی وزیر تجارت آبادی ڈائریکٹر فردوس عاشق اعوان ،،وزیر مملکت
برائے امور کشمیر و شمالی علاقہ جات عبدالرزاق چنائی اور سہیل مزمکینڈل میں ملوث ایک بڑی
شخصیت کے قریبی ساتھی ریاض لالانی کے خلاف ہیں۔ ای سی ایل میں نام ہونے کے باوجود
جس کے بعد فرار سے متعلق ایف آئی اے تحقیقات کر رہی تھی۔ سپریم کورٹ 26 نومبر کو ایف آئی
اے سہیل مزمکینڈل سے متعلق اپنی حتمی تحقیقات دو ہفتے میں اندر پیش کرنے کی ہدایت کر چکی تھی۔
طارق کھوسہ نے ایف آئی اے میں سب انسپکٹروں اور دیگر کی بھرتی کے سلسلے میں سیاسی دباؤ
قبول نہیں کیا تھا۔ ظفر اللہ خان جواب ایف آئی اے کی سربراہی کریں گے۔ بذات خود ان سے
نیب نے نامعلوم ذرائع سے جائیداد بنانے کی تحقیقات کی تھیں۔ سرحد نیب کے ترجمان نے دی
نیوز کو بتایا کہ ان کے خلاف ناقابل تردید ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے تحقیقات روک دی گئی۔ (دی نیوز
11 دسمبر 2009ء) ظفر اللہ خان 2004ء میں اس وقت بھی شہ سرخیوں کا موضوع بنے تھے۔
جب انہوں نے آئی بی کا ڈائریکٹر ہوتے ہوئے اپنے بھتیجے کے خلاف قتل کے مقدمہ میں پولیس کو
خاموش رہنے کیلئے دباؤ ڈالا تھا۔ متاثرہ خاندان کے وکیل ملک رب نواز نون نے اس وقت
عدالت میں اپیل دائر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ملزم نے ثبوت آئی بی کے حکام کی مدد سے ضائع کر دیئے
ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ پولیس نے کیس کی تفتیش آئی بی حکام کے بے پناہ دباؤ میں کی اور ملزم
پر فائرنگ ثابت کرنے میں مدد دی ہے۔ ایف آئی اے کے نئے ڈائریکٹر جنرل نے اس
بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ خان کا بھتیجا بھائی خالد عمرزئی جو اس وقت کوہاٹ کا کمشنر ہے
[illegible] میں رہا ہے۔ ظفر اللہ نے اپنے نیب کے زیر تفتیش رہنے کی بھی
تصدیق کی ہے۔ [illegible] نے انہیں صدر کے اصرار پر تعینات کیا
[illegible] تمام تعیناتیاں مشاورت کے ساتھ کی جاتی ہیں۔
[illegible] تعینات رہنے کی تصدیق کی تاہم صدر زرداری سے اپنے کسی

برادراست تعلق کی تردید کی۔

ایف آئی اے کے ایک سینئر آفیسر نے اپنی شناخت ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا کہ
"اس تبدیلی سے گزشتہ 8 مہینوں میں ہونے والی بہتری 180 ڈگری پر واپس آ سکتی ہے۔ طارق
کھوسہ جن کی تعیناتی رواں برس جنوری کو ہوئی تھی، وائینس کے سربراہ کی حیثیت سے ایک سال
مکمل ہونے سے قبل ہی عہدے سے ہٹا دیا گیا اور کسی احتجاج یا خدشے کو پیش نظر نہیں رکھا
گیا وفاقی سیکرٹری کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ جو بے تحاشا اختیارات پر وفاق نے اپنی ماتحت
ڈویژن کا سمجھی۔ ایف آئی اے کے سربراہ کی تبدیلی کے لئے چند سیاسی شخصیات اور ان کے قریبی
افراد جن کو طارق کھوسہ کا سامنا تھا، آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ بہبود آبادی کی وفاقی وزیر فردوس عاشق اعوان جن کے مبینہ طور پر انسانی سمگلنگ میں ملوث ہونے کے الزامات تھے، کے
کیس کی بھی تفتیش کی گئی تھی۔ فردوس عاشق پہلے ہی ریکارڈ پر الزامات کی تردید کر چکی ہیں۔ ماضی
میں انہی الزامات پر موقف کیلئے جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے سے منسوب الزامات
کی تردید کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ریکارڈ کی اس غلطی کی طرف توجہ مبذول کرانے خود چیئرمین نادرا
کے پاس نہیں گئیں کیونکہ انہوں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ انہوں نے ایف آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل
کے بیان کی بھی تردید کی کہ الیاس پہلے اعتراف کر چکا ہے اور اب مکر گیا ہے۔ مگر اسلام آباد ہائی
کورٹ (تحلیل سے قبل) نے 22 جون 2009ء کو کیس میں موث نادرا کے ملازم کی بعد از
گرفتاری ضمانت پر ریمارکس دیئے کہ "ڈپٹی اٹارنی جنرل 5 لاکھ روپے کا چیک ڈائریکٹر فردوس اعوان
کے پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے کیش کرانے سے متعلق عدالت کو مطمئن کرنے میں ناکام
رہے۔ پولیس کی فائل معاملے کے اس پہلو کے متعلق خاموش ہے اور اس معاملے کو سلجھانے کیلئے
تفتیشی افسر کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ یہ معاملات پراسیکیوشن سٹوری میں شبہات پیدا کرتے
ہیں۔"

فردوس عاشق اعوان کا کہنا ہے کہ وہ جس روز تحقیقات شروع ہونے سے پہلے ہی برطرف کر
دی گئیں۔ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ کس طرح والدین کی غیر حاضری میں ایسے
اداروں کی ناکامی کی واضح مثال ہے۔ ازبک ممبئی سینیٹر عبدالرزاق کی کمپنی "ملک ایکسچینج پرائیویٹ
لمیٹڈ" کے 15 ارب روپے فارن کرنسی ایکسچینج کے سکینڈل کے شواہد سے متعلق رائے لینے کے لئے
فائل میں سرکاری بینک کو بھی ارسال کی گئیں۔ اگلا مرحلہ گورنر اور وزیر سے تفتیش کیلئے حکومت کی اجازت
لینا تھا۔ کھوسہ پہلے بھی ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان سے اثاثہ جات کیس میں مبینہ طور پر ملوث ہونے
پر تحریری بیان لے چکے ہیں۔ انہیں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے اس اعتراف کے بعد کیس میں
ملوث کیا گیا تھا کہ اس نے اثاثہ جات کی جانب بھیجے گئے پیسے ان کے حوالے کئے۔ جن کے
پاسپورٹ پر بچوں کو بھیجا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان کی طرف سے ایک
بیان جاری کیا گیا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے نے انہیں الزام سے بری کر دیا ہے۔
جس پر ایف آئی اے کی طرف سے سختی سے تردید کی گئی۔ کھوسہ نے ماضی میں آن ریکارڈ کہا تھا کہ
تقریباً 15 ارب روپے کا زرمبادلہ ملک منتقل کئے گئے یا پھر ملک ایکسچینج کے 3 ملازمین کے ذریعے غیر
قانونی طریقے سے یہ رقم پاکستان لائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ابتدائی تحقیقات میں مجموعی طور پر 40
سے 50 ارب مبینہ طور پر ان خفیہ اکاؤنٹس میں رہے جو ملک ایکسچینج کے ملازمین کی جعلی کمپنیوں کے
نام سے کھولے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے کے اندازے کے مطابق مجموعی طور پر
15 ارب روپے کا زرمبادلہ ان ملک منتقل کئے گئے یا اس چینل سے غیر قانونی طور پر پاکستان لائے گئے۔

ان [illegible] نوجوانوں کو اٹلی سے وطن واپس لانے میں کوشاں تھے۔ جنہیں فردوس
عاشق اعوان نے صاحبزادے بتا کر ملک سے باہر سمگل کیا گیا تھا۔ اٹلی سے ان نوجوانوں کے
[illegible] ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔

[illegible] (ر) اشرف سے ملاقات سے بعد سیاسی صورت سے قبل سے پاکستانی عوام امید
[illegible] تھے کہ شاید اب ان سے ان چھٹ جائیں اور وہ بہتری کی طرف معاملات میں ہو جائے لیکن
[illegible] ہوتا ہے جیسے موجودہ صورت اپنی "LATE" کا ہوں رہی ہے۔ ملک کا سوالی ہی وہ ہوں
[illegible] ہے کہ ہی سے ناامیدی کی توقع پڑھی جا رہی ہے۔ 12 ویں ہوا اس حوالے سے انہوں نے
[illegible] نیوز میں "می ڈیڈی کمپنی" کے نام سے ایک سکینڈل آشکار کیا ہے۔ جس نے ساری قوم کو
[illegible] کر رکھ دیا۔ یہ زلزلہ زرگان کے نام پر ہونے والا انتہائی توہین آمیز نفرت فراڈ ہے۔ جس میں باپ
نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے فروخت کی اور رقم بیوی سے اکاؤنٹ میں پہنچ گئی۔ ساری قوم
میڈیا اور عدلیہ کی چیخ و پکار کے باوجود صوبہ سرحد "ایرا" (زلزلہ متاثرین کی مدد کے لئے قائم ادارہ)
کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نام اینڈ پاپ کمپنی قائم کی اور نرینہ
کے تمام ٹھیکے بیٹی کو نواز دیئے۔ والد کا بینک اکاؤنٹ لاکھوں روپے تک پہنچ گیا ہے۔ ایک افسوسناک
تحقیقات کے نتیجے میں اس انوکھے فراڈ میں پروفیشنل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ریسٹیلی ٹیشن
اتھارٹی (پی ای آر آر اے) کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو زلزلہ متاثرہ علاقوں کیلئے ناقص معیار کے
ٹریکٹر کے حصول کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ سارا سودا اس انداز سے کیا گیا کہ سارا معاملہ گھر ہی میں
طے ہو گیا۔ باپ نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے مشینری بیچی اور رقم بیوی کے اکاؤنٹ میں چلی
گئی۔ ڈی جی پی ای آر آر اے ناصر اعظم نے وضاحت کی ہے کہ ان کی بیٹی کی کمپنی 1999ء سے
ٹریکٹر کے کاروبار میں مصروف ہے اور نفی کی کہ اس معاملے میں کسی طرح شامل ہیں یا پی ای آر آر
کے فنڈ سے خریداری کی اجازت دی تھی۔ خریدے گئے ٹریکٹر ناقص معیار کے ہونے کے ساتھ
ساتھ پہاڑی علاقوں میں کام کیلئے بھی موزوں نہیں تھے۔ فیڈرل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ریسٹیلی
ٹیشن اتھارٹی (ایرا) جو کہ وزیراعظم سیکرٹریٹ کا حصہ ہے۔ وزیراعلیٰ سرحد پرویز خٹک کہہ رہے
ہے کہ ڈی جی پی ای آر آر اے کو برطرف کیا جائے۔ پولیس میں ان کے خلاف مقدمہ درج کرا کر

تمام ذمہ داران کے خلاف تحقیقات کی جائیں لیکن اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ وزیراعظم سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع کا کہنا ہے کہ سرحد کے وزیراعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی مبینہ طور پر اس افسر کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں جبکہ وزیراعلیٰ کے قریبی ذرائع کا مسلسل کہنا ہے کہ امیر ہوتی قیصر کرتے ہوئے میرٹ کو مدنظر رکھیں گے۔ ڈی جی پی ای آر آر اے نے وزیراعلیٰ سے رشتے داری کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعلیٰ کے بھائی میرے برادر نسبتی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس معاملے کی 3 تحقیقات ہوئیں۔ جن میں سے پہلی صوبائی انسپکشن ٹیم، دوسری نیب اور تیسری ایرا کے تحت کی گئی لیکن ان کا کوئی بھی نتیجہ سامنے نہیں آ سکا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پی آئی بی نے اس فراڈ کی تصدیق کی اور مانسہرہ کے 2 افسران کے خلاف کارروائی کی سفارش کی لیکن ڈی جی پی ای آر آر اے کے خلاف کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ نیب اور ای آر آر اے نے اس مبینہ فراڈ میں ڈی جی کو ہوٹ قرار دیا۔ وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع نے ''جو دستاویزات دکھائیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صوبائی حکومت نے باضابطہ طور پر وزیراعلیٰ امیر حیدر ہوتی اور صوبائی چیف سیکرٹری سے رابطہ کیا کہ ڈی جی پی ای آر آر اے اور دیگر ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جائے۔ (ڈی او: 11 دسمبر 2009ء) ایرا کی ایک تحقیقات کے مطابق تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن (ٹی ایم اے) کے سونڈ ویسٹ مینجمنٹ کمپلیکس ایک PC-1 کمپنی ڈسٹرکٹ ارتھ کو ٹیک انجینئرنگ کی جانب سے 2 کروڑ 60 لاکھ کی 11 نومبر 2007ء کو منظوری دی گئی۔ ایرا کا پراجیکٹ ایویلیوایشن سیل (پی ای سی) کی جانب سے 18 دسمبر 2007ء کو لیٹر نمبر ERRA/ 104 (8)/ PEC/ 07 میں اسے فیصلہ کر دیا گیا۔ مذکورہ اصل PC-1 میں کھدائی مشین، آبی باؤزر، 2 چھوٹے ٹریکٹر، سیوریج فلشنگ مشین، 100 ڈرائیوں، وائرلیس سسٹم اور 150 کچرے کے ڈبے شامل تھے۔ بعد ازاں اوریجنل PC-1 پر نظر ثانی کی گئی اور اسے 2 کروڑ 32 [illegible] پانی مشین کو 25 ٹریکٹروں سے بدل دیا گیا۔ پالیسی اور رول

کے مطابق کے تحت تحقیقات میں کہا گیا یہ نظر ثانی متعلقہ ادارے کے تحت کی جانی چاہیے تھی جبکہ ڈی جی پی ای آر آر اے نے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے تئیں اس کی منظوری دے دی۔ PC-1 کی نظر ثانی کے بعد اخبارات میں فروری 2009ء میں چھوٹے ٹریکٹروں کی خریداری کیلئے اشتہار دیا گیا لیکن اس اشتہار میں درج ذیل باتیں موجود نہیں تھے۔

(i)۔ بولی لگانے والے کی اہلیت کیلئے کسی قسم کا معیار مقرر نہیں کیا گیا تھا۔

(ii)۔ جواب دینے کا وقت پی پی آر اے رولز کے تحت 7 دن کا ہوتا ہے مگر

(iii)۔ ٹینڈر کیلئے دستاویزات بھی تیار نہیں تھیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دفتری دستاویزات کے مطابق ڈی جی پی ای آر آر اے، ڈائریکٹر، ٹی ایم اے مانسہرہ عبدالرحمن اور دیگر متعلقہ افسران جن میں اسسٹنٹ کمشنر، ایگزیکٹو انجینئر، ٹیکنیکل آفیسر، ٹی ایم اے مانسہرہ اینڈ مینڈ نے ٹریکٹروں کی خریداری تجویز کی۔ اور پیج 25 سے 28 میں 24 جنوری بجوئی طور پر 49 ٹریکٹر خریدے گئے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس سارے عمل میں پی پی آر اے کے قواعد و ضوابط کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ جس سے بولی دینے کی پیشکش کرنے والے افراد میں سے کوئی بھی بولی دینے کا اہل نہیں ہو سکا۔ بولی کے اس سارے عمل میں حصہ لینے والے افراد کے 2 مختلف ریکارڈ موجود ہیں۔ عائشہ انٹر پرائزز، نیو ہالینڈ انک، نیو ہالینڈ ہری پور [illegible] ٹریکٹر ایسوسی ایٹ پشاور اور نیشنل مشینری اسٹور ہری پور جبکہ دوسرے ریکارڈ میں بولی دینے والے۔ عائشہ انٹر پرائزز، گل انٹر پرائزز، احسن ٹریڈرز اور فیلکو ایسوسی ایٹس ہیں۔ دونوں ریکارڈ میں میسرز۔ عائشہ انٹر پرائزز کو سب سے کم بولی لگانے والا دکھایا گیا ہے۔ جس میں ایک ٹریکٹر کی ٹرالی سمیت قیمت 4 لاکھ 60 ہزار بتائی گئی تھی۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کسی بھی بولی لگانے والے کی جانب سے کمپنی کے اصل لیٹر ہیڈ پر کوٹیشن جمع نہیں کرائی گئی۔ اس پر رجسٹریشن نمبر یا این ٹی این نمبر موجود نہیں تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی فرم بولی دینے کی اہل نہیں تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا

ہے کہ 75 ٹریکٹرز کے لیے 11 339 ملین روپے میسرز عشاء اختر پرائزز کو ادا کیے گئے۔ مارکیٹ ریٹ کے مطابق ایک ٹریکٹر کی قیمت بہت زیادہ ادا کی گئی۔ پی آئی ٹی (پروفیشنل انسپیکشن ٹیم) کی تیار کردہ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق خزانے کو 4.310 ملین روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ قواعد کے مطابق ٹیکس ایس ٹی ریٹرنز کسی بھی فرم یا کمپنی کو ادائیگی وغیرہ نہیں کی جا سکتی جبکہ پی ای آر آر اے کے فراڈ ونگ نے میسرز عشاء اختر پرائزز کو بغیر مناسب انوائس اور ایس ٹی رجسٹریشن کی ادائیگی کردی۔ ایراپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پی آئی ٹی نے این ڈبلیو ایف پی ریجنل فرام سروسز آرڈیننس 200ء کے تحت صرف 2 افسران عبدالرحمٰن، ٹی ایم او، ٹی ایم اے، منسوہ اور عبداللطیف ٹی او آئی، ٹی ایم آئی، منسوہ کے خلاف کارروائی کی تجویز دی۔ بجائے اس کے کہ نقصان کا ازالہ کیا جائے۔ ایرا حیران ہے کہ پی آئی ٹی نے کیسے پی ای آر آر اے کے ڈی جی کو کلیئر انداز کردیا۔ جنہوں نے پرچیز کمیٹی کے سربراہ کا کردار ادا کیا تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پرچیز کمیٹی اس سارے معاملے کی ذمہ دار ہے کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام رہی اور ٹھیکہ ایسی کمپنی کو دیا گیا۔ جس کی ساکھ کے حوالے سے کئی سوالات موجود ہیں۔ یہاں ایک اور دلچسپ امر یہ ہے کہ تمام تحقیقات میں یہ سامنے آیا ہے کہ تمام ادائیگیاں اکاؤنٹ نمبر 3225 میں کی گئیں جو کہ عشاء اختر پرائزز کا ہے اور نیشنل بینک آف پاکستان سول سیکرٹریٹ پشاور میں ہے۔ عشاء اختر پرائزز نہ تو پی ای آر آر اے کی بینی ہے جبکہ اکاؤنٹ آمنہ ناصر چلا رہی ہیں جو کہ وزیراعظم کی اہلیہ ہیں اور وزیراعظم کو پیداوار ثابت کیا گیا ہے۔ اس تحقیقات کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ عشاء اختر پرائزز نے 49 ٹریکٹروں کی خریداری کی مد میں ادا کی گئی رقم ناصر اعظم کے حوالے کی جو کہ پی ای آر آر اے ہونے کے ساتھ ساتھ فرم کے حقیقی مالک ہیں۔ ان کی ان کے خلاف فراڈ کی رپورٹ میں بھی دائر کیا جائے۔ مزید یہ کہ کمپنی کے خلاف بھی فراڈ آرڈیننس کے تحت ضابطے کی کارروائی کی بھی

تجویز دی ہے۔ ڈائریکٹر جنرل پی ای آر آر اے سے جب اس سلسلے میں رابطہ کیا گیا تو ان کا کہنا تھا۔ میں نے کوئی کرپشن نہیں کی اور بتایا کہ میری بینی 1999ء سے ٹریکٹروں کا کام کر رہی ہے اور اب تک 800 ٹریکٹر بیچ چکی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ کمپنی رجسٹرڈ ہے اور اس کی تصدیق ایف بی آر سے کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نیتو میں کمپنی کا پیسہ میں قطعاً ملوث نہیں ہے میں نے کسی خریداری کا حکم نہیں دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں نے صرف ادائیگی سے وقت توثیق کی تھی کہ میری بینی کی کمپنی کو ادائیگی کردی جائے۔ ٹی ایم او مانسہرہ نے انکوائری کمیٹی کو بتایا کہ تمام میسرز ٹریکٹر پہاڑی علاقوں میں کام کرنے کے لئے موزوں نہیں۔

یہ مشتے از خروارے کچھ مثالیں ہیں اگر مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس بات کا یقین ہونے لگتا ہے کہ واقعی یہ ملک اللہ کی خاص عنایت ہے ورنہ تو ہمارے ارباب بست وکشاد اسے کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

(جنوری 2010ء)

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ ایگریمنٹ معاشی لحاظ سے ایک نہایت ہی اہم دستاویز ہے لیکن
س اہم دستاویز کے نئے معاہدے میں پاکستانی معیشت کی تباہی کیلئے ایک سوچا سمجھا منصوبہ تیار کیا
گیا ہے جو کہ ہمارے ملک کی سلامتی کیلئے بھی خطرہ ہے۔ نئے معاہدے کو تاجر برادری اور معاشی
ماہرین نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ نئے معاہدے میں بہت سی جگہوں پر پاکستانی بزنس کمیونٹی کے
تحفظات ہیں جن کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ جس کیلئے کچھ تجاویز اور تحفظات درج ذیل ہیں۔
ملی معاہدوں کے تحت افغانستان کو ٹرانزٹ تجارتی سہولیات فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے تاہم
اس معاہدہ میں بھارت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور آئندہ بھی بھارت کا اس میں کوئی کردار نہیں
ہونا چاہیے۔ لیکن افغانستان پاکستان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدہ کے مجوزہ ڈرافٹ میں شامل
یہ شق کے تحت بھارتی ٹرانسپورٹ گاڑیوں کو واہگہ بارڈر اور کراچی بندرگاہ سے کابل اشیاء لے
جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس پر سرحد چیمبر آف کامرس، کوئٹہ چیمبر آف کامرس اور فیڈریشن
آف پاکستان چیمبر آف کامرس کے نمائندوں کے علاوہ کسٹمز کلیئرنگ فارورڈنگ ایجنٹس، شپنگ
ایجنٹس [illegible] کے ٹرانسپورٹرز نے اعتراضات کئے ہیں کہ افغانستان کے

[illegible] نئے معاہدے کی تیاری کے دوران ہی بھی ایسے [illegible]
[illegible] جس سے پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ دراصل ٹرانزٹ ٹریڈ کے معاہدے
[illegible] ہوئے سرحد چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری [illegible] پاکستانی ٹرانسپورٹروں سے ملنے سے بھی
[illegible] کے ساتھ نئے ٹرانزٹ معاہدے میں ان نقائص پر [illegible] یا ہے جن کے تحت
بھارت کی ٹرانسپورٹ گاڑیوں کو واہگہ بارڈر سے افغانستان تک اور افغانستان سے قندھار اور [illegible]
بندرگاہ سے کابل تک ٹرانزٹ گڈز لے جانے کی اجازت دینے کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ جس
سے پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا بلکہ سیکورٹی کے خدشات بھی بڑھ جائیں گے۔ حال ہی
میں پاکستانی سیکورٹی فورسز کی جانب سے کامیاب کارروائیوں سے دہشت گردی کی جنگ میں افغان
ٹرانسپورٹ کے دو بڑے ٹرالر پکڑے گئے۔ جن میں کروڑوں روپے کا بھارتی سامان اور
چھوٹا اور بڑا اسلحہ بھی تھا جو کہ دہشت گردی کی غرض سے اندرون ملک سپلائی ہو رہا تھا۔ اس
معاہدے کے مجوزہ ڈرافٹ پر مذاکرات کا حتمی دور مارچ/اپریل 2010ء میں شروع ہوگا۔ جس
کے بعد اسے حتمی شکل دے کر اس پر دستخط کئے جائیں گے۔ ان دستخطوں سے پہلے تمام متعلقہ ذمہ
داران کو چاہیے کہ وہ اس ایشو کے ماہرین، تاجر برادری کے نمائندوں، چیمبرز اور دیگر تجارتی و
معاشی شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے صلاح و مشورہ سے اسے حتمی شکل دیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلامی جمہوریہ افغانستان کے درمیان ٹرانزٹ تجارت کو باضابطہ
بنانے کیلئے 2 مارچ 1965ء کو اس وقت کے وفاقی وزیر تجارت پاکستان وحید الزمان اور محمد سرور خان
وزیر تجارت افغانستان کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا تھا۔ اس معاہدے کو پاک افغان ٹرانزٹ
ٹریڈ ایگریمنٹ گیتا (گڈز ان ٹرانزٹ ٹو افغانستان) کا نام دیا گیا تھا۔ اور اس وقت سے لیکر آج
تک اس معاہدے کی رو سے افغانستان کو غیر فوجی اشیاء کی ترسیل کی راہداری کیلئے کراچی کی بندرگاہ
اور پھر کراچی سے طورخم، خیبر ایجنسی، صوبہ سرحد اور چمن بلوچستان صوبہ بلوچستان کے بارڈر تک

کسٹمز کلیئرنس کی سہولت دی گئی اور آج افغانستان تک لوگوں و زائرین کے ذریعے ترسیل کی جارہی ہے۔ جس سے نہ صرف پاکستان ریلوے کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) کو اربوں روپے کا فائدہ ہوا تھا بلکہ اس شعبے سے ہزاروں افراد جن میں کسٹمز کلیئرنگ ایجنٹس، بارڈر و شپنگ ایجنٹس، ٹرانسپورٹرز و دیگر افراد کا روزگار بھی وابستہ ہے۔

اس معاہدے کے تحت دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کو اشیاء کی تجارت کیلئے مکمل آزادی دے رکھی ہے مگر اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو اپنی مصنوعات وسطی ایشیائی ریاستوں کو ایکسپورٹ کرنے کیلئے ٹرانزٹ کی سہولیات فراہم نہیں کرتا۔ اسی طرح افغانستان ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا کہ ان مصنوعات کو افغانستان سے ہی واپس آنے سے روکا جاسکے۔ حالانکہ اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک اپنی مصنوعات پہنچانے میں مدد کا پابند ہے۔ آجکل وسطی ایشیائی ممالک کی زیادہ تر تجارت ایرانی بندرگاہ بندر عباس سے ہوتی ہے جو کہ از بک دارالحکومت سے 3800 کلومیٹر دور ہے۔ اگر یہی تجارت براستہ پشاور ترمیز ہو تو اس فاصلے میں خاطر خواہ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ کراچی اور گوادر کی بندرگاہیں 2700 کلومیٹر کی دوری پر ہیں۔

اب آئندہ چند ہی روز میں پاک افغان تجارتی راہداری معاہدہ پر مذاکرات کا پانچواں دور اسلام آباد میں شروع ہو رہا ہے۔ اس لئے ان اہم ترین مذاکرات کے دوران وزارت تجارت پاکستان کی تاجر برادری کے نمائندوں کو بھی شریک کرے اور ان کے ذریعے ورلڈ بینک اور بھارت سے بارٹر ختم کرنے اور اس اہم مذاکراتی پیشرفت میں جو اہم ترین سازشی ایشو ہیں۔ انہیں کسی بھی طرح سے معاہدے کا حصہ نہ بننے دے آخر میں یہ بتاتا چلوں کہ بھارت کی مداخلت سے نہیں جو پریشانی ہو رہی ہے وہ ہمیں اپنے ملکی مفاد اور دفاع کی وجہ سے ہے اس لئے مختصراً عرض ہے کہ پاکستان و افغانستان کے مابین دوطرفہ تجارتی تعلقات کو مزید فروغ دینے کی ضرورت

ہے جو تبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس سلسلے میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ افغان تاجروں کو پاکستان میں اور پاکستانی تاجروں کو افغانستان میں ہر قسم کی سہولیات دی جائیں تاکہ دونوں ممالک کے مابین تجارتی حجم کو بڑھایا جاسکے۔ ان اقدامات سے پاک افغان دوطرفہ تجارت و فروغ پا سکتی ہے۔ پاکستان اور افغانستان دونوں کو یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ تاریخی، مذہب اور ثقافت کے اٹوٹ رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کے فطری حلیف ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان ایک ہے۔ اس لئے انہیں کسی تیسری قوت کو اپنے تعلقات بگاڑنے کا موقع نہیں دینا چاہیے اور باہمی تعاون اور ہم آہنگی سے مزید ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے آگے بڑھنا چاہیے۔

(جنوری 2010ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرپشن جسد ملی کو کینسر کی طرح کھا رہی ہے

کے سال کی بجٹ سازی میں حکومت مالی خسارے کے ہدف سے جی ڈی پی کا 2.0 فیصد پیچھے ہے۔
تاہم ان کا اصرار تھا کہ حکومت سالانہ ہدف حاصل کر لے گی۔

سابقہ حکومت کے اراکین بالخصوص سابق وزیراعظم شاہد خاقان عباسی اور سابق وزیر خزانہ مفتاح اسماعیل کا موقف تھا کہ موجودہ حکومت کا اندازہ درست نہیں ہے کیونکہ اس کے دور میں معیشت تیز رفتار ترقی کر رہی تھی۔ سابقہ دور میں شرح نمو کی بلند شرح سے اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ عالمی بینک سابق وزیر کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے، تاہم اکثر پاکستانی ماہرین معاشیات اس کی وجہ گیارہ ستمبر کے بعد سے بیرونی امداد کو قرار دیتے ہیں۔ اکتوبر 2009ء کی عالمی بینک کی اپ ڈیٹ کے مطابق اس عشرے کے اوائل میں پاکستان میں بلند شرح نمو کی بنیاد بیرونی فائنسنگ تھی، جبکہ ریونیو اور بچتوں کی شرح سست روی کا شکار تھی۔ بیرونی امداد پر معیشت کے انحصار کی وجہ سے معیشت کا بیرونی صورت حال سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ 08-2007ء میں عالمی معیشت بحرانی کیفیت کا شکار ہوئی، جو پاکستان کے لیے ادائیگیوں کے توازن میں بگاڑ کا باعث بنی۔

دوسرا بڑا فرق مسئلہ پہلے مسئلے سے منسلک ہے۔ توقع سے کہیں کم ریونیو کے باوجود حکومت اپنے اخراجات میں کمی نہیں کر سکی ہے۔ عالمی بینک تسلیم کرتی ہے کہ حکومت نے اخراجات میں کمی کی کوششیں کی ہیں تاہم یہ ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں۔ ملک میں توانائی کے بحران کی وجہ سے بجلی کی قیمتوں میں حکومت سبسڈی کی وجہ کی بنا پر اضافہ کرنے سے کتراتی رہی اور یوں سبسڈیز کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ صوبائی سطح پر ڈویلپمنٹ اخراجات نے بھی حکومتی کوششوں کو متاثر کیا ہے، جس سے حکومت کو بڑے پیمانے پر مقامی بینکوں بالخصوص مرکزی بینک سے قرضہ لینا پڑا۔ فی الوقت حکومت پاکستان معاشی بحران سے باہر آ گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک کے گورنر کے مطابق پاکستان مزید مالی مدد کی رپورٹ کی ضرورت نہیں تاہم وزارت خزانہ اس سے اتفاق نہیں کرتی، وجہ انتخابی اور سیاسی صورت حال میں

مالی استحکام کے لیے تیار ہو جائے۔ عالمی بینک کی آفیشل اناؤنسمنٹ کے مطابق حکومت نے ترقیاتی اخراجات میں کمی اور ریونیو میں اضافے کی وعدوں میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ یہ کمزوری کا مسئلہ کی صورت حال بدستور گمبھیر رہنے کا امکان ہے۔

اسٹیٹ بینک نے اپنی مانیٹری پالیسی جاری کرتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ دہشت گردی سے خلاف جنگ، ملک کی امن و امان کی صورتحال اور بجلی بحران سے باعث معیشت میں خطرے اور سرمایہ کاری کی بجوہی سطح خاصی بلند ہو چکی ہے۔ اسٹیٹ بینک کی اس رپورٹ میں بھی معیشت کو درپیش جس تین خطرے کا ذکر کیا گیا ہے، یہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کو اپنانے اور اپنی سرزمین پر ہونے والے خودکش حملوں اور تخریب کاری کے واقعات کی آماجگاہ بننے کا لازمی نتیجہ اور حقیقت ہے جو پاکستانی عوام کو ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ خود سرکاری بیانات کے مطابق اس لاحاصل اور ناکام مہم میں آنکھیں بند کر کے کود پڑنے کے نتیجے میں پاکستان کو اب تک چالیس ارب ڈالرز سے زائد کا نقصان اٹھانا پڑا ہے اور امن و امان کی ناگفتہ بہ صورتحال کے باعث ملکی معیشت تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے۔ امریکہ پاکستان کے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی بجائے اسے صرف ڈیڑھ ارب روپے کی نام نہاد امداد کی خاطر ذلت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور آئی ایم ایف نے پاکستان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر سات ارب ڈالر کے قسط وار قرضے کے لیے پاکستانی عوام کی پشت پر مہنگائی کے تازیانے برسانے شروع کر دیے ہیں۔ پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اس مہم سے صوبے چلد چھڑا کر ملک میں امن و امان کی صورت حال بہتر بنانے پر توجہ دے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستانی عوام کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور وہ عالمی استعمار اور اس کے مقامی آلہ کار عناصر کے خلاف فیصلہ کن معرکے کیلئے میدان میں نکل آئیں۔

دنیا میں دنیا کے بہت سے ممالک میں ایسا ہوا ہے اور اب بھی ایسا نہ ہو سکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نیپ فیلڈ کا تعلق نیوزی لینڈ سے ہے، وہاں کے قانون و انصاف کے اسسٹنٹ وزیر ہیں،

ہے ہم پاکستان سے کافی حد تک انصاف کر سکتے ہیں۔ 2005ء کی بات ہے۔ اسے اپنے گھر کے باتھ روم میں ٹائلز لگوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے ٹھیکیداروں سے رابطہ کیا۔ ایک ٹھیکیدار سے اس کے معاملات طے ہو گئے۔ ٹھیکیدار کو اس نے کام سونپ دیا۔ ٹھیکیدار نے اپنے کارندے بھیجے اور چند دنوں میں کام مکمل کر لیا اور اپنے پیسے لے کر چلا گیا۔ چند ماہ بعد یہ خبر سامنے آئی کہ فلپ فینڈ نے جس ٹھیکیدار سے کام کروایا ہے، اس کے پاس غیر قانونی پاسپورٹ ہیں۔ اخبارات نے خبر شائع کرتے تھے۔ اس خبر کی اشاعت نے نیوزی لینڈ کے محکمہ احتساب کی توجہ حاصل کر لی۔ اخباری خبر کی تصدیق ہونے پر محکمہ احتساب نے فلپ فینڈ کو استعفیٰ دینے کے لیے کہا۔ فلپ فینڈ نے فوراً استعفیٰ دے دیا۔ مقدمہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا، فلپ فینڈ کے لیے سیاست کے دروازے بند ہوتے چلے گئے۔ 2006ء میں اسپیکر نے فلپ کی اسمبلی کی رکنیت منسوخ کر دی۔ 2007ء میں اسے پارٹی سے بھی نکال دیا گیا۔ مقدمہ چلتا رہا اور 6 اکتوبر 2009ء کو عدالت نے فلپ فینڈ کو سات سال قید کی سزا سنا دی۔

جس ملک میں ادارے مضبوط ہوں، دیوانی قوانین حکمرانوں کی ہاتھ کی چھڑی نہیں بن سکتے اور نہ ہی وہ جیب کی گھڑی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ فلپ فینڈ کے واقعے پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ کیا ہمارے ہاں موجود ہوتا اس کا ردعمل کیسے سامنے آتا ہے؟

مغربی جمہوریت کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھنے والے ہمارے حکمران آج تک نہیں سمجھ پائے کہ مغرب میں ترقی اور ہمارے ہاں تنزلی کیوں ہے؟ ہر سیاست دان ملکی صورت حال پر مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے لیکن وہ عوام کو ریلیف دینے کے لیے تیار نہیں، خود "ریلیف" لینے کے جتن کرنے میں مصروف ہیں۔ ریلیف دے سکتے ہیں۔ پاکستان پر نظر ڈالیں تو سمجھنے والوں نے "فعتبروا یا اولی الابصار" سمجھنے میں دیر کر دی ہے۔ پاکستان میں جتنا زیادہ ووٹ حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اتنا ہی "بڑا ڈاکو" ہے۔ سیاسی اور قانونی بنیادوں پر سب سے زیادہ ریلیف

سیاسی مقدرین کا طرۂ امتیاز ہے۔ سیاسی مخالفت کی بنیاد پر قائم ہونے والے مقدمات وہ ہوتے ہیں جن کو ختم کرنے کے لیے ووٹ کا بیلٹ پیپر لیتے ہیں۔ فلپ فینڈ کا مقدمہ اور سیاسی مرتبہ بھی دیکھیں اور اس کا جرم بھی۔ حالات کا مشاہدہ کرنے والوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ نیوزی لینڈ میں، ملک کیوں ترقی کر رہے ہیں اور ہم کیوں تنزلی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمارے ہاں لاکھوں، کروڑوں اور اربوں کی کرپشن کرنے والے احتسابی سے بچتے ہیں کہ صرف مقدمے پر ہم استعفیٰ کیوں دیں؟ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی گلوبل کرپشن رپورٹ 2009ء میں پاکستان نے کرپشن میں مزید ترقی کر کے 47 ویں پوزیشن حاصل کی ہے اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مقدمہ بہتر ریٹنگ میں ہے۔ اس فہرست میں ابتدائی میں پہلا نمبر نیوزی لینڈ کا ہے جس ملک میں احتساب اتنا تگڑا ہو کہ ایک وزیراعظم بھی انصاف سے بچ نہ سکے، صرف اتنے سے جرم پر کہ اس نے ایسے ٹھیکیدار سے ٹائلز لگوائیں جس کے پاس ایسے لوگ کام کرتے تھے جو قانونی دستاویزات کے حامل نہیں تھے، اس "جرم" کی تو ہمارے ہاں خبر تک نہیں بنتی، وہاں نہ صرف خبر بنی بلکہ وزارت، رکنیت اور پارٹی سے فلپ فینڈ کو اس طرح نکال دیا گیا جیسے مکھن سے بال کو نکال دیا جاتا ہے۔ کسی نے دہائی دی نہ واویلا مچایا۔ نہ اسے اپوزیشن کی سازش قرار دیا۔ فلپ فینڈ پر مقدمہ چلا تو کوئی دباؤ آیا نہ حیلے بہانے تراشے گئے اور سزا ہونے پر فلپ فینڈ نے اسے "کینگرو کورٹ" کا نام دیا نہ چیک کا شاخسانہ قرار دیا۔ ایسے ملک میں کسی کو کیسے جرأت ہوگی کہ وہ معمولی سی بھی کرپشن کرے اور پھر اسے چھپا سکے۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کی کریڈیبلٹی کے لیے یہی کافی ہے کہ نیوزی لینڈ کو 180 ممالک میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق صرف ایک سال (2009ء) میں 500 ارب روپے کی کرپشن ہوئی۔ جس ملک میں عوام نان جویں کو ترستے ہوں اور خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہو، انفرادی اور اجتماعی

خواہشیں روزمرہ کا معمول بن چکا ہو وہاں اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن کا ہونا واضح کرتا ہے کہ
ملکی معاشی ڈھانچوں کی بنیاد میں کوئی کمی نہیں کر پٹ دنیا ہے، جو کروڑوں اربوں کا ہاتھ
سب سے دوسری طرف تو قوانین موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے، مبادا
کے باعث انہیں "مقدس گائے" بنا دیا گیا ہے یا "مفاہمت" کے نام پر انہیں راستہ دے دیا گیا
ہے۔ پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک اگر کہیں ترقی حاصل کی ہے تو وہ کرپشن کا میدان ہے۔
یہ لوگ اسے بھی یہ کہہ کر کہ "چلو پاکستان نے کسی فیلڈ میں تو ترقی کی" قہقہوں میں اڑا دیتے ہیں۔
آج نرائسپر نسی رپورٹ کو سازش قرار دینے والے کل تک انہی رپورٹوں کے حوالے دے کر سابقہ
حکومتوں کو کرپٹ قرار دیتے تھے۔

پاکستان کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالیں تو سب سے زیادہ حکومتیں کرپشن کے الزام میں اپنے
انجام کو پہنچیں، مگر آنے والی حکومت نے اس سے بڑھ کر کرپشن کی۔ کرپشن ملک لیس کیسے ختم ہو
جب کرپٹ مافیا کے افراد ایوان کے بارسوخ حکمران ہوں اور ان کے "فرنٹ مین" سودے طے کر
نے میں زور تسکین پہنچانے میں ان رات مصروف عمل ہوں۔ کرپشن کے متعلق وزیر خزانہ شوکت
ترین جب ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہوں کہ "بدعنوانی سے حاصل کردہ رقم بڑے لوگوں کی
جیب میں جاتی ہے اور ان بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے حکومت کو جرأت درکار ہے۔" یہ
بات کتنے بڑے ... جب حکومت ہی پر وہ قابض ہوں۔ پاکستان میں ایسا مذاق اب تک دیکھنے
میں نہیں آیا۔ ... ملی بھگت ... جب سے پیش کرنے ... این آر او (قومی مفاہمتی آرڈیننس)
کی مہربانیوں سے ... 8041 ... ہو چکے ہیں۔ جنہوں نے 165 ارب کی کرپشن کی تو
... 165 ارب کی کرپشن 300 افراد نے کی ہے،
... ہو چکا ہے ... نہیں ملتا۔

(فروری 2010ء)

فاٹا کی مفلوج معیشت

عسکریت پسندی، دہشت اور لوگوں کی نقل مکانی کے نتیجے میں وفاق سے زیر انتظام قبائلی
علاقوں کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے اگرچہ ملک کے تمام اشاریے اسے 30 سالوں میں پسماندہ
ترین علاقہ ظاہر کرتے چلے آ رہے ہیں مگر 9/11 کے بعد طویل مسخ جنگ جس کے لیے قبائلی
علاقہ شدید ثابت ہوئیں ہیں اور تقریباً تمام کاروبار صنعتیں اور زراعت منجمد ہو کر رہ گئی ہیں۔ فاٹا
سیکرٹریٹ کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ اس خطے کو ایک کھرب 71 ارب روپے (12 ارب ڈالر)
سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے۔ ان میں وہ نقصانات شامل نہیں ہیں جو حالیہ جنگ اور جنوبی
وزیرستان میں نقل مکانی اور لوگوں کی بے گھری کے نتیجے میں ہوئے ہیں۔

ایک عہدیدار نے بتایا کہ فاٹا کی معیشت کو پہنچنے والا نقصان بہت بڑا ہے۔ جس کی وجہ
سڑکوں اور دکانوں کی بندش، سفر اور نقل و حمل کے کرایوں میں اضافہ، بڑھتی ہوئی قیمتیں، بے
روزگاری، زراعت، صنعتی پیداوار اور افغانستان سے ٹرانزٹ ٹریڈ میں کمی ہے۔

انفرااسٹرکچر کی تباہی کا اندازہ 12 ارب 68 کروڑ ڈالر لگایا گیا ہے۔ جب کہ دہشت گردی
سے جنگ پر ہونے والا معاشی نقصان (سفر، نقل و حمل کا نقصان مذکورہ بالا نقصان کا 75 فیصد ہے)

9 ارب 50 کروڑ روپے کے لگ بھگ ہے۔ مالی نقصان کا اندازہ 88 ارب 80 کروڑ روپے ہے جب کہ سیلابی اور بے گھر افراد کی بحالی کے لیے مزید 45 ارب روپے کی ضرورت ہے۔ ماہرین کا تخمینہ 5 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ ڈوبے کی 90 فیصد سے زائد آبادی براہ راست یا بالواسطہ طور پر زراعت اور مویشیوں سے ہونے والی اپنی آمدنی سے محروم ہو چکی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ دارومدار زیادہ تر کاشتکاری اور مویشیوں پر ہے۔ اراضی کے استعمال کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈوبے کی کل 28 لاکھ ہیکٹر اراضی میں سے صرف 7 فیصد یعنی 2 لاکھ ہیکٹر اراضی زیر کاشت ہے اور کاشت کاروں کا ٹھیک بری طرح متاثر ہوا ہے۔ زرعی اور لائیو سٹاک کے شعبے میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہونے والے نقصانات کا تخمینہ 4 ارب 25 کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ نقصان باجوڑ میں ہوا جب کہ فصلی اراضی کو ہونے والے نقصان کا اندازہ 19 ارب روپے ہے۔

بے فصل سبزیوں اور پھلوں کی برآمدات جو مقامی افراد کی آمدنی کا ذریعہ تھیں رک گئی ہیں۔ کاشتکاروں کا خدشہ ہے کہ انہیں 9 ارب 50 کروڑ روپے سالانہ کا نقصان ہوا ہے۔ عہدیدار کا کہنا ہے کہ کاشت کار اراضی و ماحول کی ابتر صورتحال اور نقل و حمل کے باعث فصلیں کاشت کرنے سے قاصر ہیں۔ زرعی پیداوار کی عدم دستیابی اور ان کی بلند قیمتیں بھی ایک مسئلہ ہیں۔ قبائلی پٹی میں چھوٹے جانوروں کی تعداد کا تخمینہ نہیں لگایا جا سکتا۔ علاقے میں لائیو سٹاک سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔

قدرتی آفات جیسی شدت نے علاقے کی اس معاشی سرگرمی پر شدید دباؤ ڈال رکھا ہے۔ جو پہلے ہی محدود تھی کاروبار کرنے سے اخراجات، قیمیات زندگی بسر کرنے اور نقل و حمل کی لاگتوں میں کئی گنا اضافے نے لوگوں کی آمدنی کو متاثر کر رکھا ہے۔ یہ علاقے جنگ پیش رہ چکے ہیں بھی ہمیشہ نظر انداز کیے جاتے رہے ہیں۔ اب پہلے سے کہیں زیادہ خستہ حالی کا شکار ہے۔ یہاں کسی شعبے کی سرمایہ کاری [illegible] علاقے سے [illegible] کے مسائل دونوں کا انخلاء

[illegible] ہے۔

[illegible] میں قائم این جی او سے ایک ملازم نے [illegible] سے شروع ہوئے [illegible] چھٹی بند تک پروجیکٹ میں کام کرتا ہے جو مختلف وجوہات [illegible] دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ نئے پروجیکٹ سے پرانے [illegible] ہے۔ [illegible] وجہ سے امن و امان کی ابتر صورتحال سے دوچار [illegible] کے لیے راستے کے قریب [illegible] ہے۔ [illegible] کے 3 پروجیکٹوں پر صرف 20، 23 اور 37 فیصد [illegible] ایجنسی آف ہیومن ایڈمنسٹریشن کے ایک اجلاس میں ایک صوبائی [illegible] دونوں کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور وہ کنوئیں اور [illegible] ہوتے ہیں۔ انہیں ان دونوں کو خوش کرنا ہوتا ہے بصورت دیگر وہ کام نہیں کر سکتے۔

دکانوں پر بہت کم گاہک آتے ہیں کیونکہ زیادہ تر لوگوں کی [illegible] ہے۔ قبائلی علاقے کے لڑکے اور نوجوان جو مختلف بڑے شہروں میں گھریلو ملازم کے طور پر کام کرتے تھے۔ ان کے مالکان نے انہیں فارغ کر دیا ہے۔ عہدیدار کا یہ بھی کہنا ہے کہ علاقے کی معاشی اور ترقی ایک طویل المدتی پروجیکٹ ہے۔ اس کے لیے عزم و استقلال، سرمایہ کاری اور امداد کی فراہمی کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی برادری کو دل کھول کر امداد کی رقوم فراہم کرنی چاہئیں۔ پاکستان اور دنیا کو فاٹا میں ناکام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ناکامی علاقے میں شدید تباہی لائے گی۔ رقوم کے فقدان، چشم پوشی، دستیاب وسائل کے استعمال میں ناکامی، سرکاری انفراسٹرکچر کی تباہی نے معاشی سرگرمیوں کی سطح انتہائی کم کر دی ہے۔

فاٹا کا سرحد پار تجارت کے لیے امن ٹیکٹ محل وقوع اور اس علاقے کے لوگوں کی اسلحہ سازی میں مہارت ایک بڑی دولت ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس علاقے کے لیے سرکاری اور نجی قومی

اور یہیں سے قومی سرمایہ کاری کے حصول کی کوششیں کرے۔ ایک صنعت کار سید عبداللہ نے کہا کہ فوجا اسحٰق کے کارخانوں کے بنے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کرومیٹ، مینگنیز، ماربل، کوارٹز، سوپ اسٹون، تانبے، زمرد اور کوئلے کے قیمتی ذخائر موجود ہیں۔ یہ ٹیکس فری زون ہے اور یہاں سستی محنت بکثرت دستیاب ہے۔ سرمایہ کاروں کو یہاں آنا چاہیے۔

دلچسپی کی بات ہے کہ ماربل کی صنعت کو کسی مشکل صورتحال کا سامنا نہیں ہے اور ان کا کاروبار پروان چڑھ رہا ہے۔ ماربل انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے سابق چیئرمین شاہد آر خان نے بتایا کہ ان کا فارمولا آسان ہے۔ وہ مقامی افراد کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور مصالحت کے جذبے کے تحت چھوٹے اور چھوٹی کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ انہیں کسی مسئلے کا سامنا نہیں ہے۔ اگر قبائلیوں کو شراکت کی بنیاد پر شامل کر کے پروجیکٹس شروع کیے جائیں تو یقیناً کامیابی ہوگی۔ فنانسنگ زرعیت نے پائیدار ترقیاتی پروگرام 2006-2015ء تیار کیا ہے۔ جس کا تخمینہ ایک کھرب 24 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ یہ ایک اچھا آغاز ثابت ہو سکتا ہے۔

پلان میں 10 ارب روپے زراعت کے لیے 3 ارب صنعت کے لیے 5 ارب کان کنی کے لیے رکھے گئے ہیں 1000 کلومیٹر طویل سڑکوں کی تعمیر کے لیے 6 ارب 87 کروڑ روپے دو قومی شاہراہوں کو ملانے کے لیے ایکسپریس وے کی تعمیر کے لیے 19 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔

(فروری 2010ء)

حامد
اردو فینز
کیلئے

تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں

دنیا میں یہ اصول رائج ہے کہ قیمت صرف اسی چیز کی بڑھائی جاتی ہے جس کی خصوصیت بہتر ہو، اچھی ہوں، کوالٹی معیاری ہو، مارکیٹ میں وہ چیز باآسانی دستیاب اور ایک عام صارف کے لئے فائدہ مند ہو مگر ہمارے ملک میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ چیز کی کوالٹی خراب ہو، مارکیٹ سے نایاب ہو، لوگ حصول کے لئے مارے مارے پھر رہے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ دام بڑھ گئے ہیں۔ دالیں، چاول، چینی، گھی، تیل، آٹا، غرضیکہ انسانی ضرورت کی وہ کونسی اشیاء ہیں جو وافر مقدار میں سستے داموں باآسانی مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ یہی حال گیس اور بجلی کا ہے، اکثر علاقوں میں گیس کی لوڈشیڈنگ ہے اور کئی کئی گھنٹوں کے لئے بجلی غائب ہے، جبکہ بجلی کے نظام کا یہ حال ہے کہ ذرا سی تیز ہوا چلے تو تاروں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، آندھی آئے تو بجلی غائب۔ گرمیوں میں تو لوڈشیڈنگ تھی ہی، لیکن سرد موسم میں بھی آٹھ آٹھ گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ اب تو معمول کی بات بن گئی ہے، اس صورت حال میں ان گنت لوگ ذہنی مریض بن کر رہ گئے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود طرفہ تماشہ دیکھئے کہ ایک طرف عوام لوڈشیڈنگ کا عذاب بھگت رہے ہیں تو دوسری طرف بجلی کی نرخوں میں نہ رکنے والا اضافہ ایک ایسا ظلم ہے جس کی پاکستانی تاریخ میں نظیر مشکل

اردو فینز
کیلئے

کے نتیجے عوام کی کمر اس لئے توڑی جا رہی ہے کہ وہ بے بس بکرے اور مجبور ہیں۔ یہ وہ اس ملک میں کمزور ہونا ایک جرم بن گیا ہے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے اگر ایک طرف حکومت عوام سے اپنے حق حکمرانی کا مطالبہ کر رہی ہے اور یہ تقاضا کر رہی ہے کہ موجودہ حکومت کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں تو دوسری جانب وہ عوام کو دیوار سے لگا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ جمہوریت پاکستان سے ہمیشہ ہی روٹھی رہی ہے یہ بھی درست ہے کہ عوام آمرانہ دور کے خطوفیصلوں کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن یہ جمہوریت کا کیسا عجب نمونہ ہے کہ جس میں عوام کی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ہی صرف پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے عوام مہنگائی کے بوجھ تلے بری طرح دب چکے ہیں اس کے باوجود بجلی کی قیمتوں میں حالیہ اضافے سے مہنگائی کا ایک ایسا طوفان آئے گا جس سے حکومت کے لئے بھی حالات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ موجودہ حالات میں مہنگائی کے اس طوفان اور مختلف اداروں کی ابتر کارکردگی سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عوام کا کوئی پرسان حال نہیں۔ صرف جاگیرداروں، سرمایہ داروں، سیاستدانوں، حکمرانوں اور لوٹ مار کرنے والوں کے لئے ہی تمام سہولیات میسر ہو سکتی ہیں۔ غریب عوام اس وقت اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے سہارا محسوس کر رہے ہیں اور مایوسیوں کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، چنانچہ ان حالات میں عوام یہ سوال کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حکومت کہاں ہے اور حکومت کی ذمہ داری کہاں ہے جس کے تحت عوام کو تحفظ اور سہولیات میسر آتی ہیں۔ کیا عوام کے ان سوالوں کا جواب اور مشکلات کا تدارک حکمرانوں اور سیاستدانوں کے پاس ہے؟ کیا عوام کے نام پر سیاست کرنے والوں کی یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ وہ عوام کے سوالوں کا جواب دیں اور ان کی مشکلات کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کریں لیکن یہ تو جب ہی ممکن ہے جب حکمران اور سیاست دان اپنے قلعہ نما محلات سے باہر نکل کر دیہی علاقوں اور شہروں کی غریب بستیوں میں جا کر حالات معلوم کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ عوام کی اکثریت کن مصائب اور مشکلات میں

ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف عوام کو دینے کے لئے حکومت کے پاس بجلی نہیں ہے جبکہ دوسری طرف بجلی کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ کر کے ان کی زندگی اجیرن بنائی جا رہی ہے۔ حالات یہ ہو چکی ہے کہ 2008ء میں جو لوگ ایک ہزار روپے بجلی کا بل ادا کر رہے تھے، وہی لوگ آج ڈبل بل ادا کر رہے ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس عرصہ میں کروڑوں لوگوں کی آمدنی میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ ایک بجلی کے بوں پر ہی کیا موقوف صرف ایک سال کے عرصہ میں اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں اس قدر خوفناک اضافہ ہو چکا ہے کہ پہلے لوگوں کے صرف ہاتھ کانپتے تھے اب ان کی آنکھیں بھی نرزہ شروع ہو گئی ہیں۔ اس کے باوجود مہنگائی، ذخیرہ اندوزی، امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور بحرانوں کے بھنور میں پھنسے عوام پر حکومت کی جانب سے بجلی کی قیمتوں کے اضافے کا بم گرا دیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی جمہوری دور حکومت میں ہو رہا ہے جس کا بنیادی فرد روٹی کپڑا اور مکان کی فراہمی ہے لیکن حالات یہ ہیں کہ عوام کے منہ سے روٹی، تن سے کپڑا اور سر سے مکان کا سایہ بھی چھنتا جا رہا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے پہلے بھی آئی ایم ایف سے کئے گئے معاہدے کے تحت یکم جنوری 2010ء سے عوام پر بجلی بم گرانے کی تیاری کر لی تھی۔ ظلم تو یہ ہے کہ 12 فیصد اضافے کی زد میں وہ لوگ بھی آئے جو خط غربت کی سطح سے بھی بہت نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ موجودہ حکمرانوں نے دو سال قبل الیکشن مہم کے دوران یقین دہانی کرائی تھی کہ عوام کو کمر توڑ مہنگائی سے نجات دلائیں گے۔ جبکہ 2009ء میں حکومت نے ایک وعدہ آئی ایم ایف سے بھی کیا تھا کہ بجلی کی قیمتوں میں بتدریج ہوش ربا اضافہ کر کے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ عوام سے کیا گیا وعدہ تو ایفا نہ کیا گیا لیکن آئی ایم ایف سے کیا گیا ہر وعدہ پورا کیا جا رہا ہے، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ قرض کی دوسری قسط کی وصولی کے لئے حکومت آئی ایم ایف کی دست نگر اور مجبور

حامد
اردو فینز
کیلئے

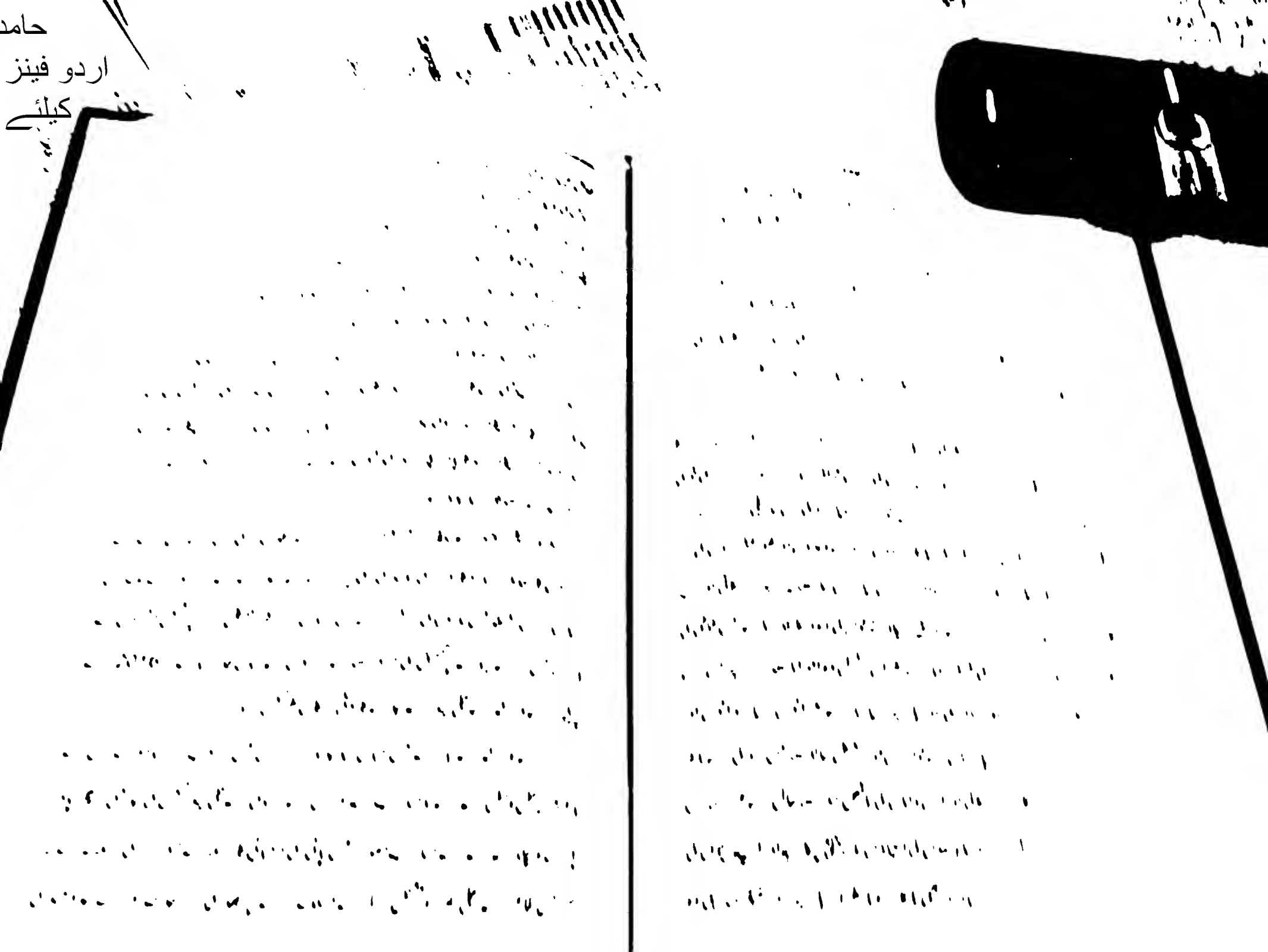

ضرورت ہوگی۔

قبل ازیں بجلی کی قیمت میں اضافے اور لوڈشیڈنگ پر احتجاج سے نتیجہ دار ہوگی ہے یہ علاقہ

بجلی کی پیداوار سے پورے ملک کو بجلی فراہم کرنے کا ایک لیٹر ملنے کے بعد زیر زمین

کوئلہ ذخائر کی مینجمنٹ سے حکومت سندھ کی جانب سے پیش کش کا ایک لیٹر ملنے کے بعد زیر زمین

موجود کوئلے کی تہیں سے پیدا ہونے والی 400 میگاواٹ کا بجلی گھر بنانے کا اعلان کیا ہے۔ اس میں اشتراک

پلانٹ کمیشن بھی ایشیائی ترقیاتی بینک اور شہر مبارک مند کی مدد سے دیسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے

زیر زمین تہیں سے پیدا ہونے والی 50 میگاواٹ کا ایک بجلی گھر تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

زیر زمین کوئلے کو گیس میں تبدیل کرنا (یو جی جی) ایک ایسا عمل ہے جس میں کوئلے کو آتش گیر

مصنوعات (سائن گیس) میں بدلا جاتا ہے اور اس گیس کو بطور ایندھن یا کیمیکل استعمال کیا جاتا

ہے۔ یو جی جی (انڈر گراؤنڈ کول گیسیفکیشن) سے کان کنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے لئے

خصوصی کول پراسیسنگ آلات اور گیسیفکیشن ری ایکٹر بھی درکار نہیں ہوتے۔

چین، ذکر تحقیق اور آزمائش کے باوجود یو جی جی پر مبنی کوئی تجارتی طور پر جاندار پروجیکٹ

ابھی تک کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ یہ تحقیق یورپ، امریکہ، چین، سابق سوویت یونین اور

[illegible] میں کی جا چکی ہے۔

کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کی ٹیکنالوجیز آزمودہ اور دنیا بھر میں عام ہیں۔ کوئلے کو ان ممالک

میں جہاں یہ بہت ارزاں ہوتا ہے یا ملکی مفاد ہے، محفوظ اور قابل بھروسہ تصور کیا جاتا ہے۔ جاپان جہاں

[illegible] کوئلے سے پیدا کی جاتی ہے۔ اسٹیم کوئلہ کا سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ ڈنمارک

[illegible] 48 فیصد بجلی کوئلے سے پیدا کی جاتی ہے جو زیادہ تر درآمد شدہ ہوتا ہے۔

[illegible] کوئلے کو بڑھانے کے لئے پیپلز پارٹی کی حکومت نے اگست

[illegible] کے ساتھ تھرکول بلاک پروجیکٹ کے لئے معاہدہ کیا۔ یہ درآمد شدہ

کوئلے سے بجلی تیار کرنے کا منصوبہ تھا۔ کمرشل پیداوار 2001 میں شروع ہونے کی توقع تھی۔ اس سے پہلے بندرگاہ پر پلانٹ کی بجائے جنوبی تھرپارکر کی راہ بھی ہموار کر دی گئی تھی۔ تاہم 1996 میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے تحلیل کر دیئے جانے کے بعد اس کمپنی کا معاہدہ بھی ختم کر دیا گیا۔

حکومت تھر کے کوئلے سے ذخائر استعمال کرنے کی بجائے درآمد کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

پاکستان کو سستی بجلی کی ضرورت ہے۔ یہ مقصد ساحلی اور درآمد شدہ کوئلے سے چلنے والے بجلی گھر قائم کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حکومت نے ابھی تک اپنی توجہ تھر پر ہی مرکوز رکھی ہے اور دوسرے آپشنز پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔

دستیاب معلومات سے پتا چلتا ہے کہ لاکھڑا کوئلے کے ذخائر سے کام کرنے والے 450 میگاواٹ کے بجلی گھر کا قیام ایک قابل عمل آپشن ہے۔ لاکھڑا کول ڈویلپمنٹ کمپنی لمیٹڈ (ایل سی ڈی سی) مکمل طور پر تیار کوئلے کی 44 کانوں کی مالک ہے جن میں ہر ایک روزانہ 40 تا 50 ٹن کوئلہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جبکہ 39 کانوں کو ترقی دی جا رہی ہے۔ لاکھڑا کی کانوں سے کوئلے کی سالانہ اوسط پیداوار 10 لاکھ ٹن سے زائد ہے۔ یہ پیداوار زیادہ تر خانوٹ میں واپڈا کے پاور پلانٹ اور اینٹیں بنانے کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔ 2008 تک یہاں سے 30 لاکھ ٹن کوئلہ نکالا گیا تھا۔

سندھ کول اتھارٹی نے کوئلے کے پیمائش کردہ ذخائر کا اندازہ 24 کروڑ 60 لاکھ ٹن لگایا ہے۔ جب کہ لاکھڑا کول فیلڈ میں ایک ارب 32 کروڑ 80 لاکھ ٹن کوئلے کی موجودگی کی علامتیں موجود ہیں۔ تخمینوں کے مطابق 450 میگاواٹ بجلی تیار کرنے والے بجلی گھر کے لئے 30 سال تک 9 کروڑ ٹن جبکہ 150 میگاواٹ بجلی کے لئے 3 کروڑ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔ ان اندازوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ 600 میگاواٹ کے بجلی گھر کو تیس سال تک چلانے کے لئے 12 کروڑ ٹن کوئلہ درکار ہوگا۔ جس کے لئے 16 کروڑ 20 لاکھ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔

(فروری 2010ء)

OO

پانی پر صوبے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

پانچ سات سال پہلے جب پنجاب اسمبلی کی طرف سے بھارتی آبی جارحیت پر احتجاجی قرارداد بھارتی حکومت کے نوٹس پر لائی گئی اور ایک آدھ دن کے لئے شور مچا تو بھارتی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اس کا مذاق اڑانے والے پاکستانی دانشوروں نے اسے پاک بھارت تعلقات میں رکاوٹ ڈالنے کی روایتی پسماندہ سوچ قرار دے کر کہا تھا کہ یہ صرف ایک ہندو ذہنیت کی انتہا پسند تنظیموں کا پراپیگنڈا ہے۔ ان دنوں یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ مقبوضہ کشمیر میں برسرِ پیکار مجاہدین نے دریائے جہلم پر بھارتی حکومت کی جانب سے سال ڈیم بنانے کے منصوبے کو ناکام بنانے کا عزم کیا ہے۔ لیکن تب سے اب تک بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ ہم نے یہ نہ جانا۔ خصوصاً بھارت و مقبوضہ کشمیر میں عمل صحیح کی جو آزادی نصیب آئی۔ اس کو بھارتیوں نے انتہائی تابڑ توڑ فائدہ اٹھا کر پاکستان کے پانی پر ڈاکہ زنی کرتے ہوئے پاکستان کو قحط سے دوچار کرنے کا گھناؤنا منصوبہ بنا لیا ہے۔

ورلڈ بینک کے تحت 1960ء میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم بھارت اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس کے مطابق دریائے سندھ، جہلم اور چناب کا پانی پاکستان کو ملنا تھا جب کہ دریائے راوی اور بیاس کے پانی کا

حقدار بھارت کو بنایا گیا۔ دریائے سندھ کا 20 فیصد پانی بھارت کو ملنا تھا۔ اور شرط یہ تھی کہ بھارت اس پر کوئی ڈیم نہیں بنائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت اس وقت دریائے سندھ پر تین ڈیم بنا چکا ہے۔ جس سے پاکستان میں قحط سالی کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ ان میں سے پہلا ڈیم نیمو بازگو دوسرا ڈیم نمبر اور تیسرا ڈیم پرل خاصی بات ایک ہے۔ ان سے بھارت 200 میگاواٹ سے زیادہ بجلی حاصل کرے گا۔ بھارت نے حسب معمول اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی کی اور مسلسل کرتا چلا آرہا ہے۔ کئی مرتبہ اس مسئلے پر مذاکرات ہوئے لیکن ہر دفعہ بھارت کی ہٹ دھرمی آڑے آئی حتیٰ کہ کچھ بین الاقوامی ضمانت داروں نے بھی ان مذاکرات میں شمولیت کی۔ سوال اٹھتا ہے کہ جو معاہدہ ابتدائی برسوں میں منظور ہوا تھا آج تک اس کی پاسداری کیوں نہ کی گئی۔ کیا اسے پاکستانی حکمرانوں کی بزدلی سے تعبیر کیا جائے کہ وہ اپنے جائز حق کے لئے بھی آواز نہ اٹھا سکے۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں پر کئی کئی ڈیم بنا لئے ہیں۔ یہاں تک کہ دریائے چناب کے بہاؤ کو کم یا زیادہ کرنے کا اختیار بھی اس کے پاس ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان 2000ء میں اس وقت تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ جب بھارت نے دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کی تعمیر شروع کی تھی۔ 20-10 ڈیموں کی مزید منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور دریائے جہلم پر کشن گنگا ہائیڈرو پاور بنانے کی تیاری کر چکا ہے۔ اس میں افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کئی سال تک پاکستان غفلت میں پڑا رہا۔ افسوسناک یا غیر افسوسناک جو بے شک ہو بہرحال موقع محل ہے۔ پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اور ہماری خوراک اور برآمدات کا 80 فیصد انحصار برآمدی مقاصد سے ہونے والی فصلوں پر ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو بنجر بنانے کی منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اس کوتاہی کی انکوائری ہونی چاہیے۔ 2007ء میں پاکستان کی شکایت پر اس وقت تک سب کچھ بن چکا تھا۔ عالمی بینک نے [illegible] کو درست قرار دیتے ہوئے بھارت کو ہدایت جاری کیں کہ ڈیم

کی اونچائی ڈیزائن کے مطابق کی جائے۔ ڈیم کے ذخیرے کی استعداد پچاس لاکھ کیوبک میٹر کم ہونے پر اسے 37 ملین کیوبک میٹر کم کر کے 32 ملین کیوبک میٹر تک لایا جائے۔ بھارت کو اونچائی کم کرنے کے لئے مزید 3 میٹر اونچائی سے پانی لینا ہوگا۔ بجائے اس کے کہ ان تین فلڈ گیٹس کو دور کیا جاتا۔ بھارت نے اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چناب کا پانی بھی روک لیا۔ جس کی وجہ سے پنجاب میں کپاس اور گنے کی فصلیں بری طرح متاثر ہوئیں اور پاکستان کو 40 فیصد پانی کی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے مراکز فیصل آباد اور ترنڈا محمد پناہ سے نکلنے والی بڑی نہروں میں جو لاکھوں ایکڑ رقبے کو سیراب کرتی تھیں قحط سالی اور غذائی بحران پیدا کرنے کا سبب بن گئیں۔ جس کی وجہ سے ضلع میانوالی، بھکر، لیہ، مظفر گڑھ، جھنگ اور ساہیوال وغیرہ کے لاکھوں ایکڑ رقبے کے بنجر ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہے۔ بھارت نے ڈیموں پر بار بار احتجاج کو درخور اعتنا نہیں جانا۔

پاکستان کو اپنے مطالبات کے لئے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ جس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھارت کو سندھ طاس معاہدہ پر فی الفور سے عمل درآمد کروائے۔ اسی دوران پاکستان کو وہ سفارتی ماہرین سے بھی گلوخلاصی کرانے اور ملک میں اپنے ماہرین تیار کرے۔ برٹش ماہرین کی خدمات پاکستان کے ساتھ ہونی نہیں چاہئیں۔ اب تو سرعام یہ باتیں کہی جانے لگی ہیں کہ پاکستان میں پانی کی کمی کی وجہ سے قحط سالی کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے جب پانی نہیں ہوگا تو فصلیں نہیں ہوں گی اور جب فصلیں نہیں ہوں گی تو خوراک کی کمی پیدا ہوگی اور بجلی سے بھی بڑا بحران ہوگا۔ بھارت نے خفیہ طور پر مقبوضہ کشمیر میں چھوٹے بڑے 62 ڈیمز بنا رکھے ہیں اور بناتا چلا جا رہا ہے اور مکاری یہ ہے کہ پاکستان کی جانب بہنے والے دریاؤں اور ندی نالوں کا رخ بھارت کی طرف موڑتا چلا جا رہا ہے اور ہم ڈیموں پر صرف سیاست کر رہے ہیں۔ بھارت اپنی سازش میں کامیاب ہے اور پاکستان کو بنجر کرنے کے پروگرام پر کاربند ہے۔ زراعت کی بات تو الگ رہی اب تو ہمارے بڑے بڑے شہروں

میں پینے کے پانی کی بھی کمی واقع ہو رہی ہے۔ ملک کے وارالحکومت کو ہی میں۔ جس پینے کے پانی
میں 40 فیصد کمی واقع ہو رہی ہے اور پانی کی راشن بندی کی بھی خبریں ہیں۔ واضح رہے کہ اس شہر
بھی ہے۔ جس میں 3 گھنٹے پینے کا پانی میسر ہوتا ہے اور لوگ اس کو بھی بجلی کی مدتوں سے کھینچنے پڑتے ہیں۔ ہماری یہ قسمت ہی ہے کہ بھارت ڈیمز بنا رہا اور ہم خواب فروشی کے مزے لوٹتے رہے۔
ہمارے اپنے علاقے میں ہمالیہ سے بین 95 بڑے ڈیمز بنا رہا ہے جن کی اونچائی 200 فٹ
ہے۔ ہمالیہ سے ہمارے دریا سے بین 48، چناب 40 اور بھارت مزید 10 بڑے ڈیمز بنا
رہا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کے موجودہ دو بڑے ڈیمز منگلا اور تربیلا ڈیمز اپنی عمر پوری کر چکے
ہیں یا کرنے والے ہیں اور ان کی پانی ذخیرہ کرنے کی استعداد کم ہو چکی ہے اور یہ تقریباً مردہ ڈیمز
تک پہنچ چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے 4 کروڑ ایکڑ زمین کے بنجر ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔
خوفناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان میں فی کس پانی کی استعداد جو 1951ء میں 5200 کیوبک میٹر
تھی۔ اس وقت 1100 کیوبک میٹر تک پہنچ چکی ہے اور 2025ء تک 550 کیوبک میٹر فی کس
پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ پھر جس رفتار سے ہماری آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس کے حساب سے
ہماری فی کس پانی کی استعداد 1951ء سے ڈبل ہونی چاہیے تھی لیکن سب کچھ اس کے برعکس ہو رہا
ہے۔ آپ کو یہ جان کر بھی دکھ ہوگا کہ ہماری 55 فیصد آبادی کو پینے کا پانی مہیا نہیں۔ بین الاقوامی
قوانین کے مطابق بھارت پاکستان کو ایک اور تھپڑ دینے والا ہے۔ بھارت نے پنجاب کو بنجر کرنے
کے لئے دریائے چناب پر "پاکل ڈل" (PAKAL DUL) ڈیم بنانے کی منصوبہ بندی کر لی
ہے۔ جو کہ 2016ء میں مکمل ہو جائے گا۔ اس ڈیم کی وجہ سے چناب کا 30 لاکھ ایکڑ فٹ پانی
ہر سال بھارت کے پاس چلا جائے گا۔ اس منصوبے کا محل وقوع جموں کشمیر کشتوار نیشنل پارک ہے۔ اس سے پہلے
بھارت پاکستان کے 24 فیصد پانی پر قبضہ کر چکا ہے۔ پہلے ہی پاکستان میں پانی کی کمی 40-30 فیصد تک کم
ہونے کی وجہ سے 50 فیصد تک جا سکتی ہے۔ بگلیہار کے مقام پر بھارت نے زیر

[illegible] 35 کلو میٹر لمبی سرنگ تعمیر کر رہا ہے جس کی وجہ سے [illegible]
[illegible] بھارت نے دریائے چناب کا پانی روکنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے
[illegible] ہمارے دریاؤں میں پانی کی کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے
[illegible] ہمارے دریاؤں میں پانی کی کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے
[illegible] بھارت کا بنیادی مقصد پاکستان کے اندر اس پیشگی منصوبہ بندی کے تحت بھارت کی آبی برتری سے
[illegible] ہمیں امریکہ اور دوسرے ایٹمی ممالک کا آگاہ کرنے سے قبل ہمارے اداروں اور قوم کو مختصر
[illegible] کے لئے ایک مختصر عملی تفصیل دینا ہے جو ہمارے ایوان صنعت و تجارت میں قوم کرنے والے
[illegible] ہیں فرنٹ نے پہلے فیڈریشن چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور زرعی تنظیموں جن میں پاکستان
[illegible] کسان بورڈ فورم، متحدہ کسان محاذ، فارمرز ایسوسی ایشن آف پاکستان اور [illegible] شامل ہیں۔
[illegible] کے نمائندوں کو پہلے ہی آن بورڈ کر لیا ہے۔ پاکستان وائر فرنٹ کے کنوینر شہزاد ہنجرا نے اس
[illegible] سلسلہ میں ہونے والے اجلاس کے دوران بتایا کہ بھارت 120 ارب ڈالر کی لاگت سے بڑے
[illegible] آبی ذخیرے تعمیر کر رہا ہے۔ یہ منصوبے 2016ء میں مکمل ہوں گے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ
بھارت ہمسایوں ملکوں چین، بنگلہ دیش اور بھوٹان کے ساتھ پہلے ہی پانی کے تنازعات موجود ہیں
اور اب پاکستان کے خلاف اس نے آبی جارحیت شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کا
یہ جارحانہ رویہ 1948ء سے چل رہا ہے۔ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لئے بھارت
منصوبہ بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں عالمی بینک کے ایک ماہر ڈیوڈ للی انتھل نے اپنی ایک رپورٹ
میں 1948ء میں خبردار کیا تھا کہ وہ تمام دریا جس پر پاکستان کا انحصار ہے۔ پاکستان کے لئے
زندگی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ تمام دریا بھارت اور کشمیر سے گزرتے ہیں اور پانی کے بغیر ایک ہفتہ کے
دوران پاکستان کی دو کروڑ ایکڑ اراضی خشک ہو جائے گی اور کئی کروڑ افراد قحط سالی کا شکار ہو جائیں
گے۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی کوئی فوج ہموں اور شیل فائر کے ذریعہ اس طرح دوسری قوم کو تباہ نہیں
کر سکتی۔ جس طرح بھارت پاکستان کے لئے دریاؤں کے پانی کو روک کر اسے تباہ کر سکتا ہے۔

ہمری نہیں۔ پاکستان کے سندھ طاس میں ایک دریا سے دوسرے دریا میں پانی منتقل کرنے کے منصوبے بھی ہیں۔ ان منصوبوں سے دریاؤں میں پانی کی روانی کم ہو جائے گی۔ اس لیے ان منصوبوں کے ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ ان منصوبوں سے دریاؤں میں پانی کی روانی کم ہو جائے گی۔ اس لیے ان منصوبوں کے ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ ان منصوبوں سے دریاؤں میں پانی کی روانی کم ہو جائے گی۔ اس لیے ان منصوبوں کے ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔

بحیثیت پاکستانی ہمیں اپنے اندر بھی جھانکنا چاہیے کہ جو قومیں پاکستان میں پانی کے ذخیرہ کرنے
کے قیام کو روکنے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ انہیں بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ من حیث
پاکستان کی قوم سے ہیں۔ ان کی کوششوں سے اگر پاکستان کے دشمنوں کو فائدہ ہوتا تو وہ کس سے
لئے کام کر رہے ہیں؟ اس سے بھارت میں ڈیم تعمیر کرنے والی قوتوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔
پاکستان کے اندر قومی آبی ذخیرہ گاہوں کے لئے اتفاق رائے نہ ہونے کا بھارت اور دوسرے مخالف ملک
پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ صورتحال تمام سیاسی اور غیر سیاسی قوتوں کو ملک کی بقا کو درپیش خطرات سے
نمٹنے کے لئے متحد ہونے کا سبق دے رہی ہے۔ کیا ہم اس سے بحیثیت قوم سبق حاصل کریں گے؟

انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی طرف سے پنجاب کے لئے چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے
کے فیصلے اور پنجاب کی طرف سے زیادہ پانی کے استعمال پر بلوچستان اور سندھ نے تحفظات کا
اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ پنجاب کو ہم نے خریفی کے جذب کے تحت حصہ سے زیادہ پانی استعمال
کرنے دیا لیکن اب معاہدے کے مطابق ہمیں پانی نہیں دے رہا۔ ارسا کے فیصلے کے مطابق چشمہ
جہلم لنک کینال کھولنے کے بعد اب پنجاب دریائے سندھ سے روزانہ 6 ہزار کیوسک پانی حاصل
کرے گا۔ اسی دوران پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کا بیان بھی سامنے آیا۔ جس میں انہوں نے
پانی پر صوبوں کے حق سے کسی بھی طور پر دستبردار نہ ہونے کا اعلان کیا۔ مبصرین کے مطابق ان کا یہ
بیان سندھ اسمبلی میں بعض ارکان کی جانب سے پنجاب پر پانی کی چوری کے الزام کے ردعمل میں
سامنے آیا۔ سندھ کے ارکان نے اس الزام پر پنجاب اسمبلی میں شدید ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ دوسری
جانب وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ سے ملاقات کر کے
انہیں یقین دہانی کرائی ہے کہ سندھ کے پانی کے حصے میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اس ملاقات سے قبل وزیر
موصوف کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں چشمہ جہلم لنک سے پنجاب کو پانی کی فراہمی
کے معاہدے کو [illegible] کے معاہدے کے برخلاف قرار دیا گیا۔ جس میں چشمہ جہلم لنک کا

[illegible] ہے کہ سندھ کا پانی کسی ایک صوبے کو دوسرے صوبوں کی مرضی کے بغیر فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ اس
[illegible] سے وفاقی وزیر پانی و بجلی کی جانب سے اس فیصلے سے متعلق وضاحت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔
[illegible] کے بعد صوبوں کے درمیان پانی کی یہ جنگ ایسے وقت میں شروع ہوئی ہے جب بھارت
کی جانب سے پاکستانی حکومت اس پر [illegible] کا الزام لگا رہی ہے۔ بھارت اس بات کی
[illegible] صوبائی حکومتیں پانی کے مسئلے پر آپس میں الجھیں۔ بھارت کے [illegible] کے
[illegible] کے خلاف بھارت کی آبی جارحیت کا [illegible] پاکستانی دریاؤں کا [illegible] پانی
[illegible] پنجاب کو دلوایا جائے۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے متعلق فنی نوعیت کے تنازعات کے حل کے
لئے کسی طرح مجیدہ مذاکرات کے جانے چاہئیں۔ جس طرح قومی مالیاتی ایوارڈ کی تقسیم کا متفقہ
راستہ نکالا گیا۔ ساتھ ساتھ صوبوں کو مک مکا میں مبتلا آبی ذخائر کی تعمیر کے حوالے سے بھی سنجیدہ
کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ورلڈ بینک کے ماہر پانی وکٹر انجینئر نے بھارت کی طرف سے
ہونے والی آبی جارحیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ بھارت کی طرف سے منصوبہ
مکمل ہونے پر صرف ایک ہفتہ پاکستان کا پانی روکنے سے پاکستان کی 2 کروڑ ایکڑ اراضی بنجر ہو
جائے گی۔ آج ہمارے صوبے ایک دوسرے سے اس مسئلے پر الجھ رہے ہیں اور یہ بھارتی سازش
کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ پانی کسی بھی قوم کی زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دنیا کی بڑی
بڑی تہذیبیں پانی کی کمی سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے نہ صرف ہمارا
پانی روک کر پاکستانی زراعت کے کھیت میں زہر یعنی خنجر گھونپا ہے بلکہ اس مسئلے پر صوبوں کو بھی آپس
میں لڑانے جا رہے ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان تمام مصلحتیں ایک طرف رکھ کر ساری قوم اس
مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے بھارت سے اپنا حق حاصل کرے بصورت دیگر پاکستان موجودہ
سندھ طاس سے علیحدگی کا اعلان کرے ورنہ ایتھوپیا بننے کے لئے تیار رہے۔

(۔۔ق 2010)

پاکستان برائے فروخت نہیں!

یوں تو ہماری حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے ہر نیا دن اس مملکت خداداد کے بے بس اور بے کس عوام پر نئی بجلی گرانے کا حکم صادر ہوتا ہے کبھی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کا عذاب نازل ہوتا ہے کبھی بجلی کے ریٹس پہلے سے چوتھی پانچ گنا بڑھتے ہیں اور کبھی پاکستان کی بے گناہ دینی مافیہ صدیقی کے ساتھ امریکی انصاف کا ہونا ہوتا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حکومت نے پاکستانی وسائل کی بھی دونوں سیل لگانے کی ہے اور خود کو روشن خیال ثابت کرنے کے لئے ایسے جارحانہ اقدامات کئے جاتے ہیں کہ یہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ ان میں افغان ٹرانزٹ ٹریڈ بھی شامل ہے۔ جس سے پاکستانی معیشت کو سالانہ 2 ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

افغانستان پر روسی یلغار سے لاکھوں مہاجرین کی مہمان نوازی، طالبان حکومت کے خاتمے کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوج کشی اور بعد میں دہشت گردی کے خلاف جنگ نے صوبہ سرحد کی معیشت اور انفراسٹرکچر کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پورے صوبے اور اس سے ملحقہ قبائلی علاقہ جات میں ہونے والے خودکش حملوں اور بم دھماکوں میں جاں بحق اور زخمی ہونے والوں کی تعداد [illegible] اپنے پیاروں کو کھو چکے ہیں۔ آتش و آہن کی بارش رکی نہیں جنازے اب

بھی اٹھ رہے ہیں۔ صوبہ سرحد کو اپنے مخصوص جغرافیہ سے دہشت صنعت و تجارت سے محروم ہونے میں سب سے پیچھے رہا۔ افغانستان سے دولت اور افغان مہاجرین سے قیمتی سرمایہ پہلے چلا گیا ہے۔ بڑی تعداد میں مہاجرین [illegible] بگت سے یہاں کی شہریت حاصل کر چکے ہیں جبکہ غیر ملکی پاسپورٹ اور دوہری افغان شہریت کے حامل بھی کاروبار پر بھی قابض ہیں۔ صوبہ سرحد کے ساتھ پاکستان کی مجموعی معیشت کو ایک بڑا نقصان افغانستان سے ملحقہ ٹرانزٹ ٹریڈ سے ہونے سے اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ٹرانزٹ ٹریڈ ایک عالمی اصطلاح ہے۔

اس میں وہ ملک جس کے پاس اپنی بندرگاہ نہ ہو اپنے قریبی ہمسایہ ملک کی پورٹ پر سے تجارت درآمد کرتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے تحت درآمد ہونے والی اشیاء پر کوئی ڈیوٹی نہیں لگتی جبکہ حکومت پاکستان اپنی ضروریات کے لئے درآمد کی جانے والی اشیاء پر 35 سے 40 فیصد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ہماری بزنس کمیونٹی کسٹم اور دوسرے ذمہ داران کے ساتھ مل کر افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں آنے والے مال تجارت کو بغیر کوئی ڈیوٹی ادا کئے مقامی مارکیٹ میں رکھ دیتی ہے جس سے حکومت کو محصولات کی مد میں ہر سال 2 سے 3 ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین نوید احمد نے گزشتہ روز فنانس سے متعلق قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کو بتایا کہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں 4 سے 5 ارب ڈالر کی اشیاء سمگل ہو رہی ہیں۔ جس سے ہماری معیشت بھاری نقصان سے دوچار ہے۔ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس کی کارروائی اور این ٹی وی کی ایک خصوصی رپورٹ کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق 3 کروڑ کی آبادی والے ملک افغانستان کے لئے جو جنت سے تبادلہ ہے اور وہاں غربت کی شرح بھی زیادہ ہے۔ ستر کروڑ آبادی والے ملک پاکستان سے زیادہ الیکٹرانکس کی مصنوعات، خوردنی تیل اور دیگر اشیاء درآمد ہو رہی ہیں۔ کسٹم حکام کے مطابق افغانستان کے لئے الیکٹرانک مصنوعات اور خوردنی تیل کے ساتھ زیادہ منگوائی جانے والی اشیاء میں چائے، ٹائر، کپڑا اور دیگر

اردو فنٹ
کیلئے

[illegible] پاکستان جانے کی [illegible] پاکستان میں [illegible] ہیں اس
[illegible] ہر [illegible] اس [illegible] ہے [illegible] ہیں [illegible] کی [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] اس [illegible] ہے [illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] ہیں

ان رہنماؤں نے اس بات پر خاص طور سے اعتراض کیا تھا کہ اس معاہدے سے تحت پاکستان نے امریکہ کو اپنی سرزمین پر فوجی اڈے دے دیے ہیں جو سوویت یونین اور چین کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں ان ممالک کے پاکستان کے ساتھ تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔ ان رہنماؤں میں مغربی پاکستان میں میاں افتخار الدین، خان عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اچکزئی، محمود الحق عثمانی، مشرقی پاکستان سے مولانا عبدالحمید بھاشانی اور ان سے متعدد دوسرے شامل تھے۔ اگر اس زمانے کے پاکستان ٹائمز، امروز اور ہفت روزہ جریدہ دلیل و نہار کے شمارے دیکھے جائیں تو ان کی سرخیاں، ان کے اداریے اور ان کے مضامین ان فوجی معاہدوں پر تنقید سے بھرے پڑے ہوں گے۔ لیکن اردو اور انگریزی کے ایسے بھی کثیر الاشاعت روزنامے ہیں جو ان معاہدوں کے حق میں رطب اللسان تھے اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جدید امریکی فوجی سازوسامان کے ذریعے وہ کشمیر کو بھارت سے آزاد کرا لیں گے لیکن جب ستمبر 1965ء میں ہند پاک جنگ ہوئی جو کشمیر سے شروع ہوئی تھی تو امریکہ اور جنوبی مشرقی ایشیائی معاہدہ SEATO نے پاکستان کی اس بات پر مذمت کی کہ وہ امریکی سامان حرب بھارت کے خلاف استعمال کر رہا ہے جبکہ یہ اسلحہ اسے پاکستان پر سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے حملے سے دفاع کے لیے دیا گیا تھا۔

اس جنگ میں طعنے کی بات یہ تھی کہ جب امریکہ نے اس بنا پر پاکستان کی امداد بند کر دی تو جنگ میں تباہ شدہ ٹینکوں، توپوں اور جہازوں کی مرمت کے لیے کل پرزے دستیاب نہ ہو سکے اور پاکستان مجبوراً جنگ بند کر کے بھارت سے 10 جنوری 1966ء کو تاشقند معاہدہ کرنا پڑا۔ جس سے وہ پاکستان اپنے جنگی مقصد یعنی کشمیر کو آزاد کرانے میں ناکام رہا۔

امریکہ نے 1960ء میں حکومت پاکستان کے علم میں لائے بغیر بڈبیر کے فضائی اڈے سے اپنے U2 کی پروازیں بھیجنی شروع کر دیں۔ جن میں سے ایک

FRANCIS GARRY POWERS .. میں طیارہ مار گرایا گیا اور اس کا پائلٹ

[illegible] جس نے اعتراف کیا کہ یہ طیارہ [illegible] سے اڑا تھا۔ [illegible] پشاور کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو پشاور کے [illegible] سے [illegible] پرواز سے [illegible] کو مطلع کیا۔ اس وقت [illegible] نے [illegible] سے [illegible] کو مطلع کرنے کے لیے [illegible] سے [illegible] پشاور [illegible] اس وقت [illegible] نے [illegible] طور پر [illegible] کی نشاندہی کرتے ہوئے [illegible] پشاور میں [illegible] رہے۔ [illegible] نے شمال مغربی سرحدی صوبے اور [illegible] پر [illegible] یہ تھا۔ یہ اس لیے [illegible] جو آزاد لیے جائیں یا افغانستان سے [illegible] ہیں۔ اس زمانے میں سوویت [illegible] پاکستان اور امریکہ کے فوجی معاہدے سے آزاد پختونستان کی حمایت کرتا تھا۔ روس [illegible] نے پاکستان کے خلاف دھمکی دی کہ اگر آئندہ اس کی سرزمین سے امریکی جاسوس طیارہ سوویت روس کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو پشاور کو ایٹمی بستی سے مٹا دیا جائے گا۔

اس وقت پاکستان کے آمر کی آنکھیں کھلیں کہ اپنی سرزمین پر کسی ملک والے کو فراہم کرنا کتنی بڑی غلطی ہے اور انہوں نے حتی المقدور اس کی تلافی کی کوشش بھی کی اور اپنی کتاب "دوست نہ دشمن" میں آزاد خارجہ پالیسی اپنانے کا عزم کیا۔ ایوب خان نے مارچ اپریل 1968ء میں بڈبیر کو فوجی اڈہ امریکیوں سے خالی کرا لیا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو توازن کرتے ہوئے روس سے بہتر تعلقات پیدا کیے اور مشرقی یورپ کی کمیونسٹ ریاستوں اور چین کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ موجودہ حکومت جو دن رات "جیے بھٹو" کے نعرے حق چور پر لگاتی ہے۔ جس طرح امریکہ کی جھولی میں گری ہے۔ کیا اس سے بھٹو شہید کی روح کو خوشی ہوتی ہوگی؟ خدارا پاکستان کی سالمیت سے مذاق بند کریں۔ قبل اس کے کہ یہ کائنات فعل ہم پر تنگ ہو اور آپ کے پاس فرار کا کوئی راستہ بھی باقی نہ رہے؟

(مارچ 2010ء)

بجلی کی قیمتوں میں اضافہ

نئے مالی سال کا آغاز گیس اور بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے ہوا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک پہلے ہی ہوش ربا مہنگائی اور بجلی کے مسلسل بحران کی گرفت میں ہے۔ گیس اور بجلی کی قیمتوں میں بالترتیب 18 اور 12 فیصد ہونے والا اضافہ ملک میں مہنگائی کے ایک اور سیلاب کا سبب بن جائے گا۔

تاجر، صنعتکار اور کاشتکار بجلی کی قیمتوں پر بالعموم اور عوام الناس بالخصوص احتجاج کر رہے ہیں جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے مزید مہنگائی کا بوجھ عوام کے کاندھوں پر لاد رہی ہے۔

شرح مہنگائی کا اشاریہ (سی پی آئی) جو افراط زر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگلے دو ماہ کے دوران مزید تیزی سے اوپر جائے گا۔ ملک میں افراط زر 22 ماہ کے بعد کم ہو کر اکتوبر 2009ء میں 13.8 فیصد کی سطح پر آ گیا تھا جب کہ فروری 2008ء میں یہ اپنی بلند ترین سطح یعنی 25 فیصد پر تھا۔

[illegible] کی بلند قیمتوں سے باعث ملک کی مائیکرو اور میکرو معیشت پہلے ہی عدم [illegible] پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں آئی ایم ایف [illegible] کے تحت

[illegible] بجلی کی پیداواری لاگت گھریلو، تجارتی اور صنعتی مقاصد کے لیے اس کی قیمت فروخت کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ جس کے باعث تاہم بجلی کی تقسیم پر آنے والی [illegible] اور اس قیمت فروخت کے درمیان فرق کم کرنے پر مجبور ہے۔ تاہم ان اقدامات سے [illegible] منصوبہ بندی، مہارت اور بدعنوانی کے خاتمے کے بغیر خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔

سابق پاکستان الیکٹرک پاور کمپنی (پیپکو) کے سربراہ [illegible] نے کہا ہے کہ بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے سے قیمتوں کا فرق کم کرنے میں مدد نہیں ملے گی بلکہ سرکاری ادارے اور تجارتی صارفین طویل عرصے سے اپنے بجلی کے واجبات ادا نہیں کر رہے۔

بجلی پیدا کرنے والے اداروں کو نقصان کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ جس کے باعث وہ وقت پر اپنا کام انجام دینے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے بجلی کے واجب الادا بلوں کی سرکاری نجی اداروں کی جانب سے ادائیگی کے لیے سخت اقدامات کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کا خمیازہ وہ غریب عوام بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں بھگتتے رہیں گے۔ جن کے بجلی کے بل صرف ایک سال میں دگنے ہو گئے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بجلی کی چوری میں ہر سطح پر اضافہ ہو جائے گا کیونکہ صارفین کی اکثریت موجودہ مہنگائی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بجلی کے گھریلو صارفین کو بجلی کی اضافی قیمتوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جانا چاہیے۔ جب کہ سرکاری اور تجارتی صارفین سے بجلی کے درجات کی وصولی ہنگامی بنیادوں پر کی جائے۔

ملک کو توانائی کے سنگین بحران کا سامنا ہے۔ شہری اور دیہی علاقوں میں 4 تا 6 اور 8 تا 10 گھنٹوں کی لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے۔ دوسری جانب سی این جی سیکٹر میں گیس لوڈ مینجمنٹ کے تحت بالخصوص ملک کے شمالی علاقوں میں سی این جی اسٹیشن بند کر دیئے گئے ہیں۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں کروڈ آئل کی قیمت 80 ڈالر کے قریب منڈلا رہی ہے۔ جس کا براہ راست اثر پیٹرولیم کی مصنوعات کی مقامی قیمتوں پر پڑ رہا ہے۔ جو عوام کی اکثریت کی پہنچ سے باہر ہیں۔ یہ سرجیتی [illegible]

توانائی کے ذرائع بجلی اور گیس کی ناکافی سپلائی کے نتیجے میں وجود میں آ گیا ہے۔ جو پیداواری لاگت میں مزید اضافے کا سبب بنے گا۔

ورلڈ بینک انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور سابق گورنر اسٹیٹ بینک عشرت حسین کا خیال ہے کہ اہم میکرو اکنامک انڈیکیٹرز تسلی بخش حالت میں ہیں لیکن رواں مالی سال کے باقی چھ مہینوں میں ان کے استحکام اور شرح نمو کو برقرار رکھنے کے لیے ملک میں توانائی کی سخت ضرورت ہے۔ بین الاقوامی منڈیاں پاکستانی مصنوعات کی منتظر ہیں۔ اب یہ پالیسی سازوں، بیوروکریٹس اور تاجروں پر منحصر ہے کہ وہ ایسی حکمت عملیاں اور میکانزم وضع کریں جو ملکی معیشت کا سبب بنے۔

اگر حکومت 31 دسمبر 2009ء تک لوڈ شیڈنگ میں خاتمے میں ناکامی کے بعد اپنے الفاظ پاس کرتے ہوئے 5 ہزار میگاواٹ بجلی کی کمی دور کر سکے تو یہ ایک معجزہ ہی ہوگا۔ اس کی جانب سے رینٹل پاور پروجیکٹوں کے حصول کی کوششوں پر سرکاری اور نجی سیکٹروں کی جانب سے نکتہ چینی کا سلسلہ جاری ہے۔ امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور سیاسی عدم استحکام اب بھی غیر ملکی اور مقامی سرمایہ کاروں کے لیے باعث تشویش ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ اور کرائے کے بجلی پلانٹس کا تعارف بجلی کی کمی سے نمٹنے کا محض ایک عبوری اور مہنگا طریقہ ہے اور توانائی کے جاری بحران کے حل کی اس وقت تک کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ بجلی ملکی وسائل مثلاً کوئلے سے پیدا نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لیے بجلی کی تیاری کے ایک جامع منصوبے کی اشد ضرورت ہے۔

(اپریل 2010ء)

حامد
اردو فیچر
کیلئے

سرکاری اللّے تللّے

حکومت کی طرف سے ایک طرف ملکی معیشت واقتصادیات کو ترقی واستحکام دینے کے دعوے کیے جا رہے ہیں اور زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافے کی خوشخبریوں کے ساتھ ساتھ پچھلے ہی دنوں سرکاری سطح پر ایک مرتبہ پھر کہا گیا بلکہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آئندہ تین برسوں میں ہر شہری کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے گا۔ ساتھ ہی پچھلے ہی دنوں پیپلز پارٹی کی ترجمان محترمہ فوزیہ وہاب نے بھی قوم کو یقین دہانی کروائی ہے کہ پیپلز پارٹی قوم کو دس لاکھ گھر فراہم کرنے کے لیے قطعاً سنجیدہ ہے۔ محترمہ فوزیہ وہاب کے اس بیان پر انشاء اللہ تفصیلی جائزہ الگ سے پیش کیا جائے گا اور بعد اس وقت صرف پیپلز پارٹی کے 43 سال پرانے دعوے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کے ایک مرتبہ پھر اعادے کے ساتھ چوتھی مرتبہ فروری 2008ء سے اقتدار سنبھالنے والی حکومت کی گزشتہ دو سال کی کارکردگی کیسی رہی۔ اس نے اپنے صرف ان تین وعدوں کی تکمیل میں کہاں تک کامیابی حاصل کی اور برسرِ زمین حقائق کیا رہے؟ اور ان سے اب تک قوم کو کیا کچھ مل سکا ہے اور اس دو سالہ کارکردگی کی روشنی میں مستقبل قریب کی یعنی آئندہ تین برسوں کی صورت حال کیا ہو سکتی ہے اور اس بابت کیا توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں اور بحیثیت مجموعی قوم کی حالت سدھرنے کے

کتنے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس کا بہتر اندازہ 10 فروری 2010ء اور 9 فروری 2010ء کو آنے والی تین میڈیا رپورٹوں کی روشنی میں لگایا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے پہلے معروضی معاصرین کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ان تینوں رپورٹوں کو پیپلز پارٹی کی اس چوتھی حکومت کی دوسری سالگرہ کا تحفہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور سب سے اہم اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تینوں رپورٹیں بیشتر اور بنیادی طور پر سرکاری ذرائع ہی سے حاصل شدہ معلومات کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور ان میں رپورٹر حضرات کی ذاتی محنت اور تحقیق بھی شامل ہے جو یقیناً قابل تحسین بھی ہے۔ اس اعتبار سے یہ بالکل سنجیدہ، معروضی، کامل احتیاط پر مبنی اور قطعاً غیر جانبدارانہ اور متوازن رپورٹیں ہیں اور سرکاری ذرائع سے بھی حاصل ہونے کی بنیاد پر کوئی بھی فریق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض پیپلز پارٹی کی مخالفت میں اور مخالفین کا پی پی پی دشمن پر مبنی پروپیگنڈا ہے۔ مزید برآں پیپلز پارٹی اپنی موجودہ ٹرم کے دو سال مکمل کر چکی ہے۔ اس کے پاس اگلے تین سال ضرور ہیں لیکن دراصل اس حکومت کا ابھی پانچواں سال تو انتخابی مہم کا سال ہو گا۔ اس اعتبار سے پیپلز پارٹی کے پاس صرف دو سال باقی ہیں اور پانچویں سال میں اس کو اپنی اس چار سالہ کارکردگی کے حوالے سے انتخابی مہم چلانا ہو گی۔ اور وہ قوم کو ان چار برسوں میں جو دکھا سکے گی۔ اس کی روشنی میں قوم بھی یہ فیصلہ کر سکے گی کہ اسے اب اگلی ٹرم کے لیے بھی پیپلز پارٹی کو منتخب کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ رپورٹیں قوم اور پیپلز پارٹی دونوں کے لیے پچھلے دو سال کی کارکردگی کی "بیلنس شیٹ" بھی ہیں اور پیپلز پارٹی کی جانب سے قوم کو دی جانے والی [illegible] کی تکمیل کا آئینہ بھی۔ اور مزید سہولت کے لیے یوں بھی سمجھ لیا جائے کہ [illegible] میں بھی پیپلز پارٹی کی کارکردگی یہی رہے گی تو ان زیر نظر رپورٹوں میں [illegible] آنے والی دو گنا شاید یہ بھی ہو سکتا ہے اور آئندہ دو برس بعد رونما ہونے والی [illegible] کی روشنی میں قوم سے دو سال بعد کے حالات کا پتہ نہ

[illegible] بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی خود ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس کے لیے دوبارہ [illegible] سے اپنی چار سالہ کارکردگی کا بیانیہ پیش کرنا مناسب ہے اور آئندہ انتخابات سے متعلق یہ بھی [illegible] ہیں۔ اس بابت کوئی بھی مناسب فیصلہ کرنا، اپنا انتخابی منشور اور صورت حال و بیانیہ بنانے کے لیے [illegible] فیصلے اور اقدامات پیپلز پارٹی ہی کا کام ہے۔

قوم کے سامنے یہ بیلنس شیٹ پیش کرنے کا یہی مقصد ہے تو آیئے ان رپورٹوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلی رپورٹ یوں ہے کہ اداروں کی تقدیم و تاخیر تو زیر بحث ادارے اس سے پہلے آنے والی رپورٹوں کے اعتبار سے ہے۔ مگر ان تین رپورٹ اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان رپورٹوں کے مطالعے سے ازخود واضح ہو جاتا ہے۔

بدھ 10 فروری 2010ء کو آنے والی ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق وفاقی ادارہ شماریات کے حوالے سے جاری کی گئی ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات نے انکشاف کیا ہے کہ افراط زر میں شہر ایک ہفتے میں 18 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے۔ پٹرولیم مصنوعات، بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد ضروری اشیاء کی قیمتوں میں ایک بار تیزی سے اضافہ ہو گیا ہے۔ ادارہ شماریات کے مطابق 4 فروری کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران گزشتہ مالی سال کے اسی ہفتے کی نسبت حساس اشاریوں میں افراط زر کی شرح 18.18 فیصد کی سطح پر ریکارڈ کی گئی۔ 3 ہزار آمدنی والے طبقے کے لیے افراط زر کی شرح 18.79 فیصد، 5 ہزار روپے ماہوار آمدنی والے طبقے کے لیے 18.67 فیصد، 12 ہزار روپے تک کی آمدنی والے طبقے کے لیے 18.20 فیصد جبکہ 12 ہزار روپے سے زائد آمدنی والے طبقے کے لیے 18 فیصد ریکارڈ کی گئی۔ ایک ہفتے میں 20 اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ، 11 کی قیمتوں میں کمی ہوئی جبکہ 22 کی قیمتیں مستحکم رہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، گڑ، چکن، دال مونگ، گوشت، چاول باسمتی، ٹوتا، دال چنا، تیل سرسوں، دال مسور، گندم اور آئینہ حسن جانے کی لکڑی اور تازہ دودھ شامل ہیں، کی قیمتیں بڑھیں۔ افراط زر دسمبر 2009ء کے دوران 14 فیصد

کی سطح پر تو جو اب بڑھ کر 18 فیصد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس اضافے سے غریب اور متوسط طبقے کی مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں کیونکہ ان کی آمدنی خرچ ہونے کی وجہ سے ان کی قوت خرید کم ہو گئی ہے۔

اب آیئے اس سے صرف چند دن قبل ایک ساتھ آنے والی دو رپورٹیں

پہلی رپورٹ دن رات محنت کر کے غریبوں اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنے کے دعووں کے برعکس حکومت کے اپنے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ دو برس سے دوران ہوشربا مہنگائی کے نتیجے میں تقریباً ہر شہری کی زندگی اس سطح سے 50 فیصد زیادہ مہنگی ہو گئی ہے۔ جنتی یہ فروری 2008ء میں ہوا کرتی تھی۔ جب موجودہ حکومت نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ایک طرف ملک کی اقتصادی حالت خراب ہو گئی ہے تو دوسری طرف کرپشن میں بھی ریکارڈ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جبکہ گورننس بھی خستہ حالت میں ہے۔ بدانتظامی روایت بن چکی ہے۔ روپے اور ڈالر کے درمیان تبادلے کا فرق 1-60 سے بڑھ کر 1-85 تک جا پہنچا ہے۔ معیشت کی زندگی بد سے بدتر ہو چکی ہے۔ ملک کے تاجر طبقے کے لیے صورتحال کا بگڑنا اس کے علاوہ ہے۔ حکومت کا سینسٹو پرائس انڈیکس (ایس پی آئی) یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ فروری 2008ء میں 173 تھا۔ جو فروری 2010ء میں بڑھ کر 254 تک پہنچ چکا ہے۔ روزمرہ کے استعمال کی چند شے کی قیمتوں میں 250 سے 300 فیصد تک اضافہ ہوا ہے۔ عوامی حکومت میں روٹی کپڑا اور مکان کے وعدے کرنے والے حکمرانوں نے فروری 2008ء سے حقیقتاً نہیں سب کچھ چھین لیا ہے۔ مثلاً وزارت شماریات کے ایورج پرائس انڈیکس کے مطابق آٹے کی 26 کلو کی بوری کی قیمت 70 روپے تک پہنچ چکی ہے۔ آٹا ساز ھے 16 روپ [illegible] 30 روپے کلو ہے۔ چینی کی پتی (250 گرام کا پیکٹ) 65 روپے سے بڑھ کر [illegible] ہے۔ مرغی کا گوشت 71 روپے سے بڑھ کر 116 روپے ہو گیا ہے وغیرہ۔

روزمرہ کی چیزیں سبزیاں اور پھل بجلی اور قدرتی گیس کے نرخ سے استعمال کی چیزیں صابن ٹوتھ پیسٹ سے لے کر میچ تک سب مہنگی ترین ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار میں صرف ایک ضروری ایسی چیز ہے جس کی قیمت میں کمی آئی ہے یعنی یہ 38 سے 16 روپے فی کلو رہ گیا ہے۔ غریب سے غریب بجلی کی بھی جو ماہانہ 100 یونٹ استعمال کرتے ہیں، میں 50 فیصد اضافہ ہوا ہے اور قیمت فروخت 2008ء کے 2.65 روپے فی یونٹ سے بڑھ کر موجودہ نرخ 3.91 روپے فی یونٹ تک جا پہنچی ہے۔ 100 یونٹ سے زیادہ بجلی استعمال کرنے والے صارفین اور کمرشل اور صنعتی صارفین کے نرخوں میں عام صارف کے مقابلے میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ دوگھریلو صارفین جو 101 سے 300 یونٹس کے درمیان بجلی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے نرخ 4.69 روپے فی یونٹ (علاوہ ٹیکس) ہے، جو 301 سے 700 یونٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان سے لیے نرخ 8.03 روپے فی یونٹ ہے جبکہ 700 یونٹس سے زائد استعمال کرنے والوں کے لیے نرخ 10 روپے فی یونٹ (ٹیکس کے بغیر) ہے۔ کمرشل صارفین کے لیے بجلی کے نرخ فروری 2008ء میں 9.53 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) ہوا کرتے تھے جبکہ اب یہ قیمت 14.93 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) تک جا پہنچی ہے۔ کم سے کم صارفین کے لیے قدرتی گیس کی قیمتوں میں 15 فیصد اضافہ ہوا جبکہ ایل پی جی کی قیمتیں 817 روپے فی سلنڈر سے بڑھ کر 1092 فی سلنڈر ہو گئیں یعنی 270 روپے فی سلنڈر، پٹرول کی قیمتیں 53.83 روپے فی لیٹر سے بڑھ کر موجودہ 71.11 روپے فی لیٹر تک جا پہنچی ہیں۔ ڈیزل 37.86 سے 69.27 فی لیٹر اور مٹی کا تیل 42 سے 72 روپے فی لیٹر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ غریب جو ایل پی جی نہیں خرید سکتے۔ جن کے پاس قدرتی گیس نہیں ہے اور لکڑی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے لکڑی کی قیمتیں 230 روپے فی 40 کلوگرام سے بڑھ کر 302 روپے ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس عرصے کے دوران کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس کے تحت گندم کی قیمت 18 روپے

سے 27 روپے فی کلو ہوگئی۔ آٹے کی قیمت 16.5 سے 30.19 فی کلو ہوگئی۔ باسمتی چاول 36
سے 43، ابلی 26 سے 34، دال مسور دھلی ہوئی 71 سے 123، دال مونگ دھلی ہوئی 51 سے
84، دال مونگ 42 سے 84، گائے کا گوشت 122 سے 174 روپے، بکرے کا گوشت 234
سے 312 فی کلو، انڈے 62 سے 80 روپے فی درجن، درمیانے سائز کی ڈبل روٹی 19 سے
26 روپے، چینی 26 سے 70، گڑ 31 سے 73، لال مرچ پاؤڈر 133 سے 167، تازہ دودھ
30 سے 41، دیسی گھی 115 فی کلو، بیسن 44 سے 147 فی کلوگرام، پکانے کے تیل کا ڈبہ
کوکنگ 318 سے 353 روپے، آلو 11 سے 17 روپے فی کلو، پیاز 12 سے 25 روپے فی
کلو، کیلے فی درجن 32 سے 38 روپے، چائے کا ایک کپ 7 روپے سے 11 روپے، بڑے
گوشت کی ایک پیٹ (پکی ہوئی) 20 سے 29 روپے ہوگئی ہے جبکہ فارم مرغی کا نرخ 71 روپے
سے بڑھ کر 116 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گیا ہے۔ 2007-08ء میں اقتصادی ترقی کی شرح
4.1 فیصد تھی جو نیچے گر کر 3.4 فیصد (نظر ثانی شدہ اندازے) ہوگئی ہے۔ پارلیمنٹ میں حال ہی
میں جمع کرائی جانے والی "قرضوں کے متعلق پالیسی بیان" رپورٹ میں پہلے ہی حکومت کو متنبہ کیا
گیا ہے کہ جی ڈی پی کی شرح کے مقابلے میں قرضوں کی بڑھتی ہوئی شرح (جواب 58.1 فیصد
تک پہنچ گئی ہے) تشویش ناک ہے اور یہ سلسلہ جاری نہیں رہنا چاہیے۔ بصورت دیگر یہ 60 فیصد
کی حد بھی عبور کر جائے گی۔ جس کا اشارہ ایف آر ڈی ایل ایکٹ 2005ء میں دیا جا چکا ہے۔
قرضوں کے متعلق پالیسی بیان وزارت خزانہ کے ڈیٹ آفس نے تیار کیا۔ جس کے سربراہ
[illegible] قریشی ہیں۔ اس بیان میں بتایا گیا تھا کہ ملک کے مجموعی غیر ملکی قرضے
[illegible] (جی ڈی پی) میں 6.6 ارب ڈالر زیادہ 14.3 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ مالی
[illegible] تک جی ڈی پی کا 14.3 فیصد ہے۔ دوران پاکستان کے مجموعی سرکاری قرضے
[illegible] (جی ڈی پی) بڑھ کر 8100 ارب روپے تک جا پہنچے۔ اس میں 495 ارب

روپے یا 6.5 فیصد کا اضافہ ہوا۔ ملک کے داخلی قرضے 4010 ارب روپے تھے جو
4090 ارب روپے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 2008-09ء کے دوران سرکاری قرضوں میں
1600 ارب روپے (26.6 فیصد) کا اضافہ ہوا۔ جون 2009ء کے آخر تک ملک کے مجموعی
قرضے 7605 ارب روپے تک جا پہنچے۔ (حوالہ روزنامہ "عوام" کراچی، 4 فروری 2010ء)

دوسری رپورٹ پی پی پی کے دور حکومت کے 3 سال کے دوران [illegible]
ارب روپے سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ارب روپے ہوگیا۔ جبکہ [illegible]
ادائیگی کرنے والوں پر ٹیکسوں کا بوجھ [illegible] ہوا۔ ملک کے اندر [illegible]
قدامات نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف پٹرولیم اور اس کی مصنوعات پر صارفین سے [illegible]
سو سے زائد سو ارب روپے کا ٹیکس حکومت وصول کر رہی ہے۔ پٹرولیم پر [illegible] سو ارب
روپے اور سیلز ٹیکس بھی سو سو ارب کے لگ بھگ سالانہ وصول ہوگا۔ 2007-08ء میں پاکستان
کے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ ایک ہزار آٹھ ارب روپے سے زیادہ ڈالا گیا۔ 2008-09ء میں یہ
بوجھ بڑھا کر 1157 ارب روپے ڈالا گیا تھا۔ 2009-10ء میں صرف ایف بی آر کے ٹیکسوں
کا بوجھ 15 سو ارب روپے سے تجاوز کر جائے گا۔ ٹیکس ان ڈائریکٹ ہوں، ڈائریکٹ ہوں یا
پٹرولیم لیوی ان کا بوجھ بالآخر صارفین کے اوپر ہی منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق
رواں مالی سال کے پہلے سات مہینوں میں 692 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس پاکستانی عوام ادا
کر چکے ہیں۔ گزشتہ مالی سال 2008-09ء میں پٹرولیم لیوی کے ذریعے 440.3 ارب روپے
کے ڈائریکٹ ٹیکس 452.3 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 116 ارب روپے کی فیڈرل ایکسائز اور
148.4 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی۔ اس سے قبل کے مالی سال 2007-08ء میں
387.8 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس 405.6 ارب روپے کا سیلز ٹیکس 92.1 ارب روپے
کی فیڈرل ایکسائز اور 150.6 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی تھی۔ اس طرح دو سالوں

میں عوامی حکومت کے دور میں عوام پر پراویلیم ڈیوٹی اور ایف بی آر کے ٹیکسوں کا بوجھ 1008 ارب روپے سے بڑھ کر 15 سو ارب روپے کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔ 31 جنوری 2010 تک سات ماہ میں ایف بی آر نے گزشتہ سال کے پہلے سات ماہ کے مقابلے میں 10 فیصد زیادہ ٹیکس وصول کیے۔ جولائی 2008ء سے جنوری 2009ء تک ایف بی آر نے 630 ارب 46 کروڑ روپے کے مجموعی ٹیکس جمع کیے جبکہ جولائی 2009ء سے جنوری 2010ء کے دوران 693 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس جمع کیے۔ ان میں 286.4 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس، 272.2 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 76.7 ارب روپے فیڈرل ایکسائز اور 84 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی شامل ہے۔ پی پی پی کی حکمرانی کے پہلے دو سالوں میں آئی ایم ایف۔ ورلڈ بینک سے کیے گئے جنرل مشرف حکومت کے وعدے کو نبھاتے ہوئے کسٹم ڈیوٹی زیادہ سے زیادہ عمومی شرح 35 فیصد سے کم کر کے 25 فیصد کر دی گئی لیکن اس کے ساتھ تقریباً چار سو درآمدی آئٹموں پر پی پی پی حکومت نے 15 سے 40 فیصد ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کر دی۔ پی پی پی کے برسر اقتدار آنے سے پہلے جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 2007-08ء کے وفاقی بجٹ میں 15 فیصد تھی مگر پی پی پی حکومت نے 2008-09ء کے وفاقی بجٹ میں جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 15 سے بڑھا کر 16 فیصد کر کے صارفین پر بیک جنبش قلم 40 ارب روپے کے ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا۔ پی پی پی کے دو سالہ دور حکومت میں چینی پر سیلز ٹیکس کی شرح اگست 2009ء سے غریبوں کے ہم پر 16 فیصد سے مکرر 8 فیصد گزشتہ سال تو کر دی گئی مگر چینی کی قیمت اس حساب سے کم نہیں کرائی۔ وجہ یہ ہے کہ چینی کے کارخانے کے مالک سیاستدان زیادہ ہیں۔ حزب اقتدار کے [illegible] ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ چینی صارفین کو آج 65 سے 75 کلو شوگر مل [illegible] سے ہیں [illegible] مالکان سے پی پی پی کے حکمران ساٹھ پینسٹھ ستر روپے کلو کے [illegible] نہیں کرتے جبکہ آج بھی جنرل سیلز ٹیکس حکام کو 28 روپے

فی کلو تصور کرنے کا کہا گیا ہے۔ پاکستان کے صارفین سے اتنا بڑا [illegible] کسی حکومت نے 82 شوگر مل مالکان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بھی کرنے کی جرأت نہیں کی۔ صارفین و آئی حکومت خود ٹیکس اکٹھا کر رہی ہے۔ دوسرا طرف کہ دو سالوں سے انفلیشن کی 60 فیصد دو ہندسہ ہے۔ دو ہندسہ میں ٹیکس کہنے کو تو ڈائریکٹ ٹیکس ہے مگر وہ سارا بھی غریب صارفین پر ڈالا جا رہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جب تک موجودہ حکومت خریداروں کا سی این آئی سی (کمپیوٹرائزڈ نیشنل شناختی کارڈ) نمبر یا نیشنل ٹیکس نمبر کا اندراج کرنے کا قانون نہیں بناتی، پورا سیلز ٹیکس بنیاد ہی ختم ہے۔ وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق فروری 2008ء میں جب پی پی پی کی حکومت بنی۔ زرمبادلہ کے ذخائر 15 ارب ڈالر کے لگ بھگ تھے جو اس سے بعد کم ہو کر پانچ چھ ارب ڈالر رہ گئے۔ آج پھر پندرہ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہیں مگر ان دو سالوں میں غیر ملکی قرضوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا۔ فروری 2008ء میں غیر ملکی قرضے تقریباً 38 ارب ڈالر کے تھے جو آج 58 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہو گئے ہیں۔ اس طرح دو سالوں میں قوم پر صرف غیر ملکی قرضوں کے بوجھ میں 18 ارب ڈالر کے قریب اضافہ ہو گیا ہے۔

ان رپورٹوں کی روشنی میں ملک و قوم کی دو سال بعد کی ممکنہ صورتحال کا نقشہ بہت حد تک واضح ہو جاتا ہے جو حکمرانوں کے لیے کچھ وقت فکر بھی مہیا کرتا ہے ایک آدھ لمحہ نہیں بشرطیکہ وہ غیر ملکی دوروں سے یہ وقت نکال سکیں کیونکہ معاملہ اٹھارہ کروڑ عوام کا ہے! اب فیصلہ پیپلز پارٹی خود کر سکتی ہے۔

(اپریل 2010ء)

اردو فینز کیلئے

صورتحال میں کہ صرف غریب ہی کی ٹوٹ رہی ہے۔ مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا خاتمہ چاہتا ہے لیکن ٹرائل مقربی سرحدی صوبے کا شہری 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی صورتحال سے بری طرح متاثر رہا ہے۔ صوبہ سرحد سے اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار افغانستان کی صورتحال سے بری طرح متاثر رہا ہے۔ صوبہ سرحد سے اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی جاتی ہے۔ جس سے تاجروں، صنعت کاروں اور جاگیرداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شرح میں ہونے والا اضافہ تنگ معیشت کو کھوکھلا جبکہ چند کاروباری خاندانوں کی تجوریاں بھر رہا ہے۔ لاکھوں افغان مہاجرین کی آمد اور پاکستان خصوصاً صوبہ سرحد سے تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ہمارے صنعت کاروں کو بڑی منڈیاں مل گئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود یہی کارخانے دار اور دکاندار عوام کے خون پسینے کی کمائی سے جمع ہونے والا لیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے پیکیج کی صورت حاصل کر رہا ہے۔ ماہرین اقتصادیات کا موقف ہے کہ حالت جنگ ہو یا امن گھی، آٹے، چاول، دال، چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا۔ لوگ زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کر رہے ہیں۔ پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے۔ اگر چند غیر ضروری اشیاء کے استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف حبیب بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران 19 ارب 27 کروڑ روپے کے قرضے معاف کئے ہیں۔ قرضہ معاف کرانے والوں میں دو ادارے بھی شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں۔

اس طرح ملک میں سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے لئے زندگی کی بنیادی ضروریات کا حصول بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول کی ذمہ داری ڈسٹرکٹ مینجمنٹ کا کام ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا اختیارات سے نوازا تھا۔ جن میں ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو کنٹرول کرنے کے علاوہ ذخیرہ اندوزی طلب اور رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا ہے۔

مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین صدر جنرل پرویز اشرف نے متعارف کرائے گئے نئے نظام کے تحت مہنگائی کے خاتمے کے لئے ضلع کی تمام تحصیلوں میں ضلعی انتظامیہ کے افسران کی ڈیوٹیاں لگا دی ہیں۔ یہ افسران روزانہ کی بنیاد پر مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے اور اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں کا جائزہ لیں گے۔ اس کے علاوہ ہر ہفتے ایک مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگائی جائے گی جو ہفتہ وار بازار کا دورہ کرے گا۔ اس طرح ہفتے میں تین مجسٹریٹ مارکیٹ پرائس اینڈ ایشوز سے آگاہ ہو گئے۔ اس وقت صوبہ سرحد کے دوسرے حصوں کی طرح پشاور میں ہر تو مہنگائی نے عام شہری کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ آٹے، چینی، گھی، دالوں کے ریٹ کسی نہ کسی حوالے سے منظر عام پر آتے ہی رہتے ہیں لیکن روٹی کا وزن روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ دودھ 40 سے 50 روپے فی لیٹر فروخت ہو رہا ہے۔ دہی 46 روپے فی کلو بک رہا ہے جبکہ گوشت اور قیمے کے نرخ ہر دکان دار نے اپنی مرضی سے مقرر کر رکھے ہیں۔

ملاوٹ کا عالم یہ ہے کہ دودھ میں پانی صاف ستھرا پانی نہیں بلکہ آلودہ پانی کے ساتھ انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے ہیں جو دودھ کو گاڑھا کر دیتے ہیں۔ گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانے میں ڈاکٹر کی مہریں ہر جانور پر لگی ہوتی ہیں جبکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ انتہائی لاغر اور بیمار جانور روزانہ ذبح کر کے مارکیٹ میں لائے جا رہے ہیں۔ پھل فروٹ عام آدمی کی پہنچ سے دور ہے۔ سبزیوں کے نرخ ہر دکاندار من مانے وصول کر رہا ہے۔ ہر ماہ بیوروکریسی کا اب تک یہی کہنا تھا کہ پورا انتظام منتخب لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن اب سب کچھ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایڈمنسٹریٹرز مہنگائی کے جن کو قابو کر پائیں گے یا منتخب لوگوں کی طرح مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ سیاسی قیادت سے متعلق تو یہ بات عام رہی ہے کہ کسی منتخب بندے کے لئے امن و امان قائم رکھنے کے لئے سخت قدم اٹھانا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنا ووٹر عزیز ہوتا ہے لیکن اب تحصیل اور ڈسٹرکٹ لیول پر سرکاری افسران کی کارکردگی کا امتحان ہے تاہم اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان افسروں پر سیاسی دباؤ کم سے کم پڑے۔

(اپریل 2010ء)

وی۔اے۔ٹی کا عذاب

انتخابات کے مطابق آئی ایم ایف نے شرط لگائی ہے کہ قرضے کی اگلی قسط اس وقت پاکستان کو دی جائے گی جب حکومت عوام پر ایک نیا ٹیکس لگائے جس کو انگریزی میں ویلیو ایڈڈ ٹیکس۔ (VAT Value Added Tax) کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اردو میں اس کا کیا نام ہوگا۔ جب بھی آئی ایم ایف اس کے نفاذ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے تو ضرور یہ کوئی مصیبت ہوگی کیونکہ آئی ایم ایف پاکستان کے عوام سے کوئی محبت نہیں ہے۔ عجیب قرضہ ہے کہ 7.5 یا شاید 11.3 ارب ڈالر کا قرضہ معلوم نہیں کتنی قسطوں میں دیا جا رہا ہے اور ہر قسط سے قبل نئی نئی شرائط لگائی جاتی ہیں۔ بلکہ مختلف اوقات میں مختلف شرائط لگاؤ اور اب VAT یہ نام ہی کوئی خطرناک قسم کا ہے خدا خیر کرے۔ حکومت پاکستان نے حکم کے مطابق تمام صوبوں نے اس ٹیکس کو نافذ کرنے کے لئے صوبائی اسمبلی میں پیش کر دیا ہے۔ معاہدہ کار کے مطابق تو قرض لیتے وقت تمام شرائط طے ہو جاتی ہیں۔ یہ عجیب قرضہ ہے کہ ہر قسط سے ساتھ نئی نئی شرائط طے کی جاتی ہیں۔ کیا ان سے قرضہ جاری رکھنے کی پاکستان پر مزید بوجھ لادا جا رہا ہے۔

[illegible] (ایف بی آر) کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ "VAT" کوئی نیا

ٹیکس نہیں بلکہ جنرل سیلز ٹیکس (جی ایس ٹی) کا متبادل ہے۔ VAT کی موجودہ شرح 15 فیصد ہے۔ ہر کاروبار پر لاگو ہے۔ نہیں آئے گا۔ 3 سے 5 سال میں 800 ارب سے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ 8 ہزار ایف بی آر کے ہیڈ آفس اور ریجنل دفاتر میں ہر ماہ کروڑوں روپے کے جعلی ریفنڈ کے دعوے کئے جائیں گے۔ VAT کے نفاذ سے قبل بہت جعلی کمپنیاں بنائی جائیں گی۔ جی ایس ٹی کی شرح 16 فیصد ہے۔ VAT اس کی جگہ لے گا اور اس کی شرح 15 فیصد ہوگی۔ یہ ایک جدید اور ترقی یافتہ ٹیکس ہے (اب ٹیکس بھی ترقی پسند ہونے لگے ہیں) اس نے [illegible] میں ایک بھی ایسے ملک نے اس ٹیکس کی مخالفت کر دی تو پیش نہیں گئے گا۔ [illegible] صاحب عجیب بات کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ VAT کوئی نیا ٹیکس نہیں ہے۔ پرانے ٹیکس جی ایس ٹی کا متبادل ہے۔ پرانے ٹیکس کی شرح 16 فیصد ہے اور نئے VAT کی شرح اس سے کم 15 فیصد ہوگی۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد 800 ارب کے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ ان سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جناب اگر اس نئے ٹیکس کی شرح بھی کم ہے ٹیکس جمع کرنے والا عملہ بھی پرانا ہے، تاجر اور صنعت کار بھی نئے نہیں ہیں تو اضافی آمدنی کیسے ہوگی۔ کیا سرمایہ دار ایماندار ہو جائیں گے یا ایف بی آر والے فرشتے بن جائیں گے۔ ٹیکسوں کی کمر عوام کے ذمہ دار نہیں بلکہ آپ کے نکمے کا مسئلہ ہے جو سرمایہ دار سے مل کر ٹیکس چوری میں موٹ ہوتا ہے آپ نئے ٹیکس جمع کرنے کے لئے فرشتے کہاں سے لائیں گے عوام سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ان کو صاف کہہ دیں کہ چونکہ آئی ایم ایف کا حکم ہے اس لئے عوام کو مزید قربانی دینی ہوگی۔ ساتھ یہ بھی بتا دیں کہ یہ قرضہ اور یہ ٹیکس عوام کی فلاح و بہبود کے لئے نہیں بلکہ حکمرانوں کی عیاشیوں کے لئے ہے۔

"اگر حکومت نے VAT نافذ کیا تو خوراک کی تمام اشیاء کی قیمتیں 100 فیصد بڑھ جائیں گی۔ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد امکان یہ ہے کہ مرغی کے گوشت کی قیمت 200 روپے فی کلو اور

گوشت کی قیمت 500 روپے فی کلو ہو جائے گی۔ اشیائے خوراک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر نکل جائیں گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت خوراک کی اشیاء پر VAT نافذ کرنے کے ہاتھوں سے روٹی کا نوالہ بھی چھیننا چاہتی ہے۔ آج کل مرغی کا گوشت 190 روپے فی کلو گرام، بڑا گوشت 200-220 روپے فی کلوگرام اور چھوٹا 350-400 روپے فی کلوگرام ہے۔ یہ قیمتیں اب بھی عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں خوراک کی اشیاء کو لازمی اشیاء قرار دے کر ٹیکسوں میں چھوٹ دی جاتی ہے۔ پاکستان میں عجیب رسم ہے کہ ٹیکس سب سے پہلے خوراک کی اشیاء کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ٹیکس کاروباری طبقے پر لگایا جائے تو وہ فوراً اس بوجھ کو قیمتیں بڑھا کر عام آدمی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عام آدمی کہاں جائے۔ اگر VAT نافذ کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ پھر ملک بھر کے 28 ہزار پوشری فارم بند کر دیے جائیں گے۔ مارکیٹ کے عام دکانداروں کا بھی کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد مجبوراً ان سب کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا۔ حکومت قیمتیں بڑھا کر خودی افراط زر میں اضافہ کر رہی ہے، حکومت کو چاہیے کہ غریبوں پر ٹیکس لگانے کی بجائے اپنے فضول اخراجات کو کم کرے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ چونکہ عوام کی کھال اتارنے کی دوڑ میں پاکستان دنیا میں اول نمبر پر ہے اس لئے پاکستان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں لکھا جانا چاہیے۔ پاکستان کی اکثریت بہت غربت میں وقت گزار رہی ہے۔ ان کی کمر پہلے سے ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ حکومت روزانہ تیل اور دوسری اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیتی ہے۔ کیا حکومت کا دل پسیج نہیں آتا؟

دنیا بھر میں حکومتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ٹیکسوں کی وصولی کے بدلے میں عوام کو بنیادی سہولتیں مہیا کریں۔ تعلیم، صحت اور جان و مال کا تحفظ جیسی سہولتیں ان میں سرفہرست ہوتی ہیں۔ پاکستان میں حکومت نے ان تمام ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب وہ بچہ اچھی تعلیم حاصل

کرے گا جس کا باپ ٹیکس بانڈس اور اپنی جیب سے اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ عام آدمی اس قابل نہیں ہے کہ وہ اپنے یا اپنے خاندان کے افراد کا علاج نجی ہسپتال لاہور یا ایم آر آئی ہسپتال پشاور سے اپنی جیب سے اخراجات کر سکتا ہو۔ جان و مال کا تحفظ اس شہری کو حاصل ہو گا جس کے پاس زیادہ اسلحہ ہو اور جس کی اپنی فوج ہو۔ اپنے ذرائع آمد اور اثاثہ جات ظاہر کرنے میں کامیاب حکومت دنیا کا کوئی بھی قانون عوام سے نہیں چھپانے کا حق نہیں دیتا۔ پاکستان سے عوام کی بے بسی ہے کہ حکومت ان کا خون چوس کر اپنی عیاشیوں اور سامراجی جنگوں کو بھرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اندرونی اطلاعات کے مطابق حکومت پاکستان نے آئی ایم ایف کو یقین دلایا ہے کہ پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں جون کے مہینے میں VAT بل کی منظوری دے دیں گی۔ یہ ٹیکس یکم جولائی 2010ء سے لاگو کر دیا جائے گا۔ آئی ایم ایف کے مشرق وسطیٰ اور سنٹرل ایشیا کے لئے ڈائریکٹر مسعود احمد خان مزاری ان دنوں پاکستان کے دورے پر ہیں۔ ان کے دورے کا مقصد آئی ایم ایف کے 11.3 ارب ڈالر کی امداد کی پانچویں قسط جو 1.2 ارب ڈالر بنتی ہے کی ادائیگی سے قبل ان شرائط کے مسائل کو حل کرانا ہے۔ انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ خزانہ کے مشیر حفیظ اے شیخ اور سٹیٹ بنک کے گورنر سید سلیم رضا سے بھی ملاقات کی ہے۔ ان خبروں کے مطابق آئی ایم ایف کو اس بات کا بھی غصہ ہے کہ پاکستان کی حکومت بجلی کے نرخ بڑھانے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں اس ٹیکس کا بل پیش کیا جا چکا ہے۔ کیا اپنے لئے اسلام آباد میں پلاٹ اور اپنے والدین کے لئے مفت علاج کی سہولت حاصل کرنے والے ممبران صوبائی اسمبلی میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنے غریب ووٹروں کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکیں۔

آئی ایم ایف نے حکومت پاکستان کے ساتھ ڈیلیور ایبل میں ٹیکس کے نفاذ، بجلی کی قیمتوں میں اضافے اور بجٹ خسارہ مقررہ حد کے اندر رکھنے کے معاملات طے ہونے کے بعد ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرضے کی قسط مئی میں جاری کرنے کی یقین دہانی کروائی ہے۔ وزارت خزانہ کی طرف

سے وفاقی وزارت خزانہ نے مالی سال کے آخر تک بجلی کی قیمتوں میں مزید اضافہ کرنے کا
ی ہے۔ یہ اضافہ 25 روپے فی یونٹ کی حد تک ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر ماہ فیول کی قیمت میں
رقم پورا کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ان دونوں کے مطابق مجموعی طور پر بجلی
نیس سے زائد کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

پاکستان کی بدقسمتی اب یہ ہو گئی ہے کہ عوام کے دشمنوں سے برسر اقتدار آنے والی موجودہ
حقوق اور جمہوریت کی علمبردار جماعتیں ہیں۔ جو معاملے میں امریکہ، آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی
طرف دیکھ کر کوئی اقدام یا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان تینوں سے اشارہ ابرو پر چھوٹی ہو سکتا ہے۔ رہے
عوام تو وہ ووٹ دینے کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے کسی بھی فیصلے یا اقدام کے
وقت نہ پہلے نہ بعد میں ان سے مشورہ کیا جاتا ہے اور نہ انہیں اس کے لائق سمجھا جاتا ہے۔
چنانچہ جب اور جس چیز کی قیمت میں اضافہ کرنے کا ارادہ ہو یا اوپر سے حکم نازل ہو، موجودہ
جمہوری حکومت نہایت تابعداری سے اسے بجا لاتی ہے۔ عوام ہکا بکا رہ جاتی ہے۔ جب
سے موجودہ جمہوری منتخب حکومت برسر اقتدار آئی ہے۔ بس یہی تماشا ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے
پاکستان میں آئی ایم ایف کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔

ویٹ کے نفاذ، اس مسلسل ہر مہینے کی تازہ قسط کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس بابت یہ پوچھنا بھی
فضول ہے کہ خود رپورٹ کے مطابق جو 32 کھرب روپے کا ٹیکس ویسے ہی بھرتی ہے وہ کہاں جاتا ہے جو ان
مالی بالوں سے مزید قرضے وصول کیے جا رہے ہیں اور اس کے لئے ان کا ہر حکم تسلیم کر لیا جاتا
ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا رہا کہ یہ قرضے واپس کس طرح کیے جائیں گے اور اس کے لئے ویٹ کا نفاذ
کرنے جیسے ظالمانہ اقدامات کے علاوہ اور کیا راستہ نکالا جائے گا۔ فائدہ کس فریق کا ہو رہا ہے۔ کیا اس لئے
یہ سب کچھ ہو رہا ہے کہ یہ بھاری رقوم دراصل کہیں اور ہی جاتی ہیں اور یا پھر حکومت کو اپنے گھر واپس
بھیجنے کی بہت زیادہ جلدی معلوم ہوتی ہے؟

(مئی 2010ء)

معاشی ترقی کی حقیقت؟

انٹرنیشنل بینک کے مرکزی بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اجلاس کے بعد فیصلہ کیا کہ بنگلہ دیش
کے لئے شرح سود 12.5 فیصد برقرار رہے گی جبکہ موجودہ مالی شرح 12 فیصد ہے گی۔ یہ مالی
امداد کم ہو کر 2.6 ارب ڈالر رہ گیا ہے جبکہ انٹرنیشنل بینک سے زرمبادلہ کے ذخائر 11 ارب
ڈالر ہے۔ رپورٹوں کے مطابق سبسڈی کے خاتمے سے قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ میں
مزید بتایا گیا ہے کہ حکومت نے رواں مالی سال کی پہلی ششماہی میں 110 ارب روپے کے بیرونی
قرضے لئے جس میں آئی ایم ایف کے 93 ارب روپے بھی شامل ہیں۔ 25 مارچ 2010ء
تک 1240 ارب روپے کے حکومتی قرضے لئے گئے جو کہ مالی حد سے 110 ارب روپے
زائد ہیں۔ اس کے بالکل ساتھ آنے والی دوسری رپورٹ کے مطابق بجلی کی یونٹ قیمت میں
دو روپے پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ پچھلے نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے جبکہ ایک اور رپورٹ
میں کہا گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے رواں مالی سال کے لئے ٹیکس وصولیوں میں تقریباً شارٹ فال
پورا کرنے کے لئے موبائل کا نیا طوفان برپا کرنے کی حکمت عملی طے کر لی ہے جس کے تحت 31
ارب روپے کی اضافی وصولیوں کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے نیس کی مد

میں 3 ارب روپے کا مزید ریونیو حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں ایف بی آر نے حکومت کو یہ تجویز دی ہے جبکہ واپڈا اور پانی و بجلی نے کہا ہے کہ بجلی کا بحران پیدا ہونے سے جب ہوا جہد ختم کر دیا جائے گا۔

پاکستان پر قرضوں کا مجموعی بوجھ 8 ہزار ارب روپے تک جا پہنچا ہے اور قوم پر مزید بوجھ ڈالنے کے لئے یکم اپریل سے ممکنہ طور پر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں مزید 7 فیصد اضافہ کر دیا گیا۔ دریں اثنا ملک بھر میں بجلی کی بدترین لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ مظاہرے جاری ہیں۔ اور یکم اپریل سے گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا گیا ہے۔ جبکہ ساتھ ہی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان سمیت دنیا بھر میں ایک گھنٹے کے لئے بتیاں بجھا کر ساعت ارض (آرتھ آور) منائی گئی اور یہ خبر اس ملک (پاکستان) سے بھی آئی ہے جہاں پچھلے دنوں تک آنے والی رپورٹوں کے مطابق لوڈشیڈنگ کا دورانیہ شہروں میں 16 سے 18 گھنٹے اور دیہات میں 20 سے 22 گھنٹے تک جا پہنچا تھا اور بجلی بحران نے صرف ایک سال میں 4 لاکھ اور ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ کے لگ بھگ افراد کو بے روزگار کر دیا ہے۔ صنعتوں کو سالانہ 220 ارب کا نقصان ہو رہا ہے۔ پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافے کا امکان ہے۔ مارچ میں پٹرول کی قیمتیں 4 ڈالر 49 سینٹ بڑھ کر 5 ڈالر 52 سینٹس ہو گئیں۔ ماہرین کے مطابق عالمی منڈی میں قیمتیں بڑھنے سے مقامی سطح پر بھی قیمتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

یہ ہے معیشت کا محض چند پہلوؤں سے اور صرف ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس حوالے سے مزید جائزہ لیا جائے تو تاجروں کے مطابق پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے پہلے ہی سستی منڈی صنعت و حرفت اور تجارت کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس موقف کی تصدیق اس رپورٹ سے بھی ہو جاتی ہے کہ صرف گزشتہ ایک سال میں 4 لاکھ ہم وطن بے روزگار ہو گئے۔ گزشتہ دو سال سے اب تک یہ تعداد مجموعی طور پر 8 لاکھ شمار کی جا سکتی ہے۔ اس صورت حال کے فوری طور پر تدارک کے بجائے بھی نئے نئے ٹیکس لگا کر اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کر کے حکومت نے محصولات عائد کرتی چلی جا رہی ہے

ہے۔ حکمران پیپلز پارٹی کی رہنما شہلا رضا نے یہ بات پچھلے دنوں صاف کہہ دی ہے کہ بجلی کا بحران جلد ختم ہونے والا نہیں۔ جبکہ ایران سے تین گنا سستی بجلی کی درآمد کے بارے میں معاہدہ کی خبر کو پہلے ہی سرکاری طور پر مسترد کر دیا گیا ہے کہ ایران سے بجلی درآمد کرنے میں پانچ سال لگیں گے۔

پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ تو ختم ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ جبکہ یہ دونوں عناصر معیشت کو زندہ اور رواں رکھنے میں تازہ خون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دو قوتوں کے بغیر کسی صنعت کو چلنے یا گراں سے گراں تر کرتے چلے جانے سے بھی اس سے وابستہ صنعت و حرفت بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ اس بارے میں ایک صنعت کار نے کہا ہے کہ ایک عام اور پڑھا لکھا نوجوان سمجھ جاتا ہے کہ اگر ان اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں تو ان سے حاصل ہونے والی پیداوار خود بخود مہنگی ہو جائے گی۔ صنعت کار یہ بوجھ صارف کی طرف منتقل کر سکتا ہے لیکن ایک حد سے زائد نہیں اس کے بعد صارفین کی قوت خرید ختم ہو جائے گی اور وہ غیر ضروری اشیاء پر جو سب سے پہلے مہنگی قیمت ہوں گے، انحصار کریں گے جس سے مقامی صنعت کا بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ یوں صنعت و حرفت جو ملک کا بیشتر روزگار فراہم کرنے والا شعبہ ہے، تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اور مہنگائی میں جب حکومت خود اضافہ کر رہی ہو تو دوسروں کو کون روک سکتا ہے؟ مزید یہ کہ جب سستی بجلی مل رہی ہے تو اسے حاصل کرنے میں کیا امر مانع ہے۔

کئی کئی مہنگے رینٹل پاور پراجیکٹ پراسرار کے کیا معنی ہیں اور کیا حکومت قوم کو بتائے گی کہ ان پراجیکٹس سے اب تک کیا کچھ حاصل ہوا ہے اور یہ خرچ کہاں سے پورا کیا گیا ہے؟ اور ان پر کیا خرچ آ چکا ہے کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو ہمارے حکمران کسی بھی چیز کو سنبھالنے کے اہل ہی نہیں اور وہ عوام کے مسائل اور مشکلات سے بالکل بے خبر ہیں یا پھر ان کو مال بنانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ وزیراعظم نے ابھی پچھلے دنوں کہا کہ بجلی گیس وغیرہ کے ضمن میں عوام کو درپیش مشکلات اور ان کے حوالے سے روز افزوں گرانی کا احساس ہے، عوام کو جلد ریلیف دیں گے۔ اس ریلیف کی تازہ

قطرہ پیدا ہوتا ہے۔ صنعت و بجلی کی قیمتوں میں تازہ ترین اضافے کی صورت میں قوم کو اس کی بھاری
اور قوم کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ کس قسم کے ریلیف دیے جا رہے ہیں اور اس کا تقابل
گزشتہ دو سال کی صورت حال سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ صنعت ہی سے وابستہ
سے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ بجلی کی قیمت بھی تاجی سے آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہے جہاں بجلی مہیا کرنے
و 46 فیصد زرمبادلہ فراہم کرتا ہے۔ اس کو بھی تاجی سے ماہوار مختصر ترین وقفے پر ہیں۔
ہوا سے زرمبادلہ کی آمدنی میں یہ لگت 46 فیصد کی واقع ہو جائے گی۔ جبکہ ہوا سے اوپر کی
فیہ بھی قرضوں کا بوجھ ہی 55 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے اور زرمبادلہ سے خاطر 16 تا 17
ارب ڈالر تک جا رہے ہیں جبکہ تجارتی خسارہ وفاقی وزیر تجارت بتائیں گے۔ زراعت سے
حاصل سے صرف یہ دیکھ جائے کہ ہوا سے جن دریاؤں پر بھارت اندھا دھند ڈیم بنا کر ان کی
آبشاروں کا راستہ روک رہا ہے اس کے نتیجے میں ہوا سے دریاؤں میں کتنا پانی باقی رہ گیا ہے۔

باقی رہتے ہیں پاکستان کی تقریباً 70 فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے اور صنعت سے بعد زرعی
شعبے کی بھی تاجی سے بعد ہوا سے پاس لیا جائے گا؟ ابھی موجودہ حکومت سے 3 سال باقی
ہیں۔ گزشتہ سال میں 18 ماہ تک آبادی بے روزگاری دیکھا جائے تو ایسے حالات میں آئندہ
تین برسوں میں مزید 18 تا 20 لاکھ نوجوان بے روزگار ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم فرماتے
ہیں کہ آبادی کا بوجھ اب پانچ سال بعد ہو گا۔ اس وقت تک یہ بے روزگار طبقہ کتنا
بڑھ چکا ہو گا۔ یہ وزیر اعظم اور صنعت اور وفاقی وزیر صنعت و پیداوار قوم
کو بتائیں گے۔ گزشتہ 2 سال میں صنعت کے کارخانے بند ہو گئے اور کتنے جم وطن بے
روزگار ہوئے ہیں۔ اس کی بھی وزارتی روشنی سے بھی اندھیرے پڑ گئے ہیں۔ وفاقی وزیر
صنعت بھی اپنے شعبے کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ پانی کی کمی ہو گئی ہے اور کتنے
کارخانے بند ہوئے ہیں اس کے بارے میں صنعت کی وزارت اپنے کام سے ساتھ ساتھ ہی بتائے

ہیں کہ بجلی کی قیمت میں کتنا اضافہ کیا جائے۔ اس سے بارے میں بھی
ہے۔ اس سے بارے میں بھی
ہے۔ اس سے بارے میں بھی
ہ

ہوگئی ہو تو اور بات ہے اور اب تک یہی ہوتا بھی آیا ہے) پیپلز پارٹی اپنے اتحادیوں سے ساتھ روٹی
کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اقتدار میں آئی تھی۔ اس نے دو برسوں میں قوم کو جو کچھ دیا ہے وہ ان
چند جملوں میں واضح ہے اور مستقبل کا نقشہ بھی ان ہی میں عیاں ہے۔ اب پیپلز پارٹی کو خود ہی
فیصلہ کرلینا چاہیے کہ اسے عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے سنجیدگی سے اقدامات کرنا ہیں یا پھر
وہ اپنے ہی خلاف ایک اور ہنگامہ خیز تحریک کا متحمل ہوسکے گی؟

(مئی 2010ء)

اردو فنڈ
کیلئے

لوڈشیڈنگ، مہنگائی، ہنگامہ آرائی

پاکستان شاید دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جہاں کوئی بھی ادارہ محفوظ نہیں، رشوت، بدعنوانی، اقربا پروری، اختیارات کا ناجائز استعمال، میرٹ کی خلاف ورزی، غرض بے لحاظ عہدہ جس شخص کا جتنا اختیار چلتا اور طاقت ساتھ دیتی ہے وہ اتنا ہی اس ملک اور اس کے مظلوم عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ پالیسیاں، منصوبے، پانچ اور دس سالہ پروگراموں کے اعلانات صرف اخبارات اور کاغذوں تک محدود ہوتے ہیں جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ پاکستان کے حالات دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان مزید پختہ اور مضبوط ہوجاتا ہے کہ واقعی کوئی طاقت ایسی ہے جو ایسی مملکت خداداد کو چلا رہی ہے، کیونکہ اس کا قیام ایک معجزے سے کم نہیں اور اس کا 63 سال تک چلنا ایک کرشمہ ہی ہے۔

امن وامان، لوڈشیڈنگ، صنعتوں کی بندش، بیروزگاری، مہنگائی، تعلیمی حالت کی ابتری، پٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں آئے روز اضافہ، من مانے کرایوں کی وصولی، جعلی ہاؤسنگ سوسائٹیاں، اشیائے خوردونوش کی چیزوں میں ملاوٹ، جعلی ادویات کی دھڑلے سے فروخت، ڈاکٹروں، افسروں، ٹھیکیداروں کی کمیشن کے چرچے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مہنگائی روز بارروز بڑھتی جارہی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اور صرف غریبوں کی مشکلات میں اضافہ ہورہا ہے۔ مہنگائی میں کمی

سے متعلق سہولتی اخراجات سے بھی زیادہ ہوشربا ہے لیکن ان پر مجموعی آمدنی صرف 2 فیصد خرچ ہوتی ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات کی جانب سے جاری کردہ نئے اعداد و شمار کے مطابق 8 اپریل 2010ء کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں میں گزشتہ ہفتے کے مقابلے میں 18.4 اور گزشتہ سال کے اسی ہفتے کی نسبت 79 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایک ہفتے کے دوران روزمرہ استعمال کی 53 اشیاء میں سے 27 کی قیمتوں میں اضافہ 8 میں کمی اور 20 میں استحکام رہا۔ گزشتہ ہفتے پیاز، ٹماٹر، آلو، انڈے، دودھ اور لہسن کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان برقرار رہا۔ پی ٹی آئی کے مرکزی رہنما فواد چوہدری کا کہنا تھا کہ مہنگائی کی شرح میں کمی کا اعلان ایک مذاق ہے۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ سے ملک کی ترقی تو پہلے ہی رک چکی ہے اور اب مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کی موجودہ معاشی صورتحال کی ذمہ دار سابقہ حکومتیں ہیں لیکن اب تو موجودہ حکومت کو بھی 2 سال ہو گئے ہیں لیکن اس نے بھی عوام کے لئے کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں 2 کروڑ سے زائد بے روزگار اور ہزاروں کارخانے بند ہو گئے ہیں۔ چھوٹی صنعتوں کی بندش سے لاکھوں مزدور بے روزگار ہو گئے ہیں۔ تاجر برادری بھی پریشانیوں کا شکار ہے۔ تاجر رہنماؤں کی خیبر پختونخوا کے صدر حاجی عدنان بخاری کا کہنا تھا کہ بجلی کی شارٹ فال 5000 میگاواٹ تک پہنچ گئی ہے۔ وفاقی وزیر برائے پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف کے مطابق پیک آور میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ 6 گھنٹے تک ہے۔ موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالتے وقت بجلی کی شارٹ فال 15000 میگاواٹ بتائی تھی جبکہ پیداوار 1000 میگاواٹ تھی۔ اب شارٹ فال 5000 میگاواٹ ہے جبکہ پیداوار 6000 میگاواٹ ہے۔ اس طرح پیداوار میں 5000 میگاواٹ کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے باوجود لوڈشیڈنگ میں کمی نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ بجلی کی پیداوار میں اضافے کے لئے ہم نے کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس کی تعمیر کے بجائے دیامر بھاشا ڈیم کی تعمیر کا اعلان کیا گیا ہے جس کے لئے 1450 ارب روپے درکار ہیں۔ اس رقم سے کالا باغ ڈیم کی 3 بار تعمیر ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لئے کالا باغ ڈیم کی تعمیر ناگزیر ہے۔ بجلی چوری اور لائن لاسز کے علاوہ انڈیپنڈنٹ پاور پروڈیوسرز کے ساتھ کئے گئے معاہدوں پر نظرثانی کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لئے پانی کی دستیابی کو یقینی بنانا ہوگا۔ بجلی چوری اور لائن لاسز کے علاوہ انڈیپنڈنٹ پاور پروڈیوسرز سے

توانائی کا بحران

صدیوں سے دنیا کی بڑی قوموں کا شکار ہے۔ کسی ملک میں سیاسی بحران ہے تو کہیں غذائی بحران ہے۔ کئی ممالک ایسے ہیں جو معاشی بحران میں مبتلا ہیں مگر محنت میں مظلمت ہے۔ جاپانیوں، چینیوں اور کوریائیوں نے سب پر محنت سے دولت حاصل کر لیا ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ ان ممالک کا ہر شہری ملک کے لئے سوچتا ہے۔ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر ملک کے لئے کام کرتا ہے اور ہر بات پہلے ترجیح دیتے ہیں اس کے بعد ملک کی سوچتے ہیں۔ جب تک اجتماعی سوچ پیدا نہیں ہو گی ملک بحرانوں کا شکار رہے گا۔ پاکستان کو قدرت نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ملک کئی پڑوسی ممالک سے بہتر ہے مگر ان کو تلاش کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ دنیا کی بہترین زرعی زمین تھر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا اور موثر نہری نظام ہمارے ملک میں ہے۔ زرعی زمین کو سیراب کرنے کے باوجود آج بھی درآمد کرتے ہیں۔ ان میں سرفہرست خوردنی تیل اور گندم ہے۔ چینی کے چھ کارخانے ملک میں ہیں مگر ہم چینی درآمد کرتے ہیں۔ ہمارے مسائل کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ اور تھور کے مسائل جوں کے توں ہیں۔ پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے ہیں مگر مسائل ہیں کہ حل ہونے کا نام نہیں لیتے۔

اس وقت ملک انرجی یا توانائی کے بحران کا شکار ہے۔ ہم اپنی ضرورت کا 40 فیصد تیل درآمد کرتے ہیں۔ گیس کے ذخائر میں پانی کی مقدار بڑھ رہی ہے۔ پہلے سے زیر زمین میں موجود گیس کے ذخائر کم ہو رہے ہیں۔ نئے ذخائر کی تلاش کا کام سست روی کا شکار ہے۔ ہمارے ہاں توانائی کی کمی کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی آ رہی ہے۔ ہمارے ہاں توانائی کے بحران سے زرعی پیداوار کا تقریباً 30 فیصد حصہ متاثر ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ صنعتی پیداوار بھی کم ہو رہی ہے۔ حکومت نے اس چیز کو اس طرح نظر انداز کیا ہے۔

پاکستان توانائی کے وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ان کی تلاش سے لے کر حصول تک بہت سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔ قدرتی گیس سے وافر ذخائر موجود ہیں جو ہماری توانائی کی ضرورت کا خاصی حد تک پوری کرتے ہیں۔ تیل بھی موجود ہے مگر اس قدر نہیں ہے۔ تیل کی عمل ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔ کوئلہ میں اب ثابت ہو چکا ہے کہ ہم بہت بڑے ذخائر کے مالک ہیں مگر ہم نے قدر نہیں کی۔ دوسرے ملک میں آبی ذخائر بھی موجود ہیں اور آبی توانائی بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر قدرتی گیس ملک میں نہ ہوتی تو توانائی کی صورتحال بدترین ہوتی۔ اس وقت توانائی کا بحران ذخیروں کی وجہ سے ہے۔ تربیلا بند کے بعد دوسرا بند تعمیر نہیں ہوا جس کی منصوبہ بندی ہوتی رہی۔ اگرچہ کئی امکانات ہیں کہ آبی توانائی حاصل ہو سکتی۔ دیرآید درست آید کے مصداق اب بھی موقع ہے کہ آبی ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے علاوہ متبادل ذرائع بھی ہونے چاہئیں۔ بجلی، گیس، تیل اور کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے لگائے جائیں تاکہ بنیادی ضرورت بجلی وافر مقدار میں دستیاب رہے اور اس طرح ملک زرعی اور صنعتی ترقی کر سکے۔ ذخیروں کے ذریعہ بجلی پیدا کرنے کو ترجیح دی جائے اس کے چار پانچ فوائد ہیں اور ان کی تعمیری مدت پانچ سال سے بھی کم عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے بجلی پیدا کرنا ان کا اولین فائدہ ہے اس کے بعد زرعی ترقی ہے۔ پانی کی حسب ضرورت کھیتوں کو فراہمی اور جہاں نہری زمینیں نہیں ہیں وہاں پر ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی کی فراہمی وغیرہ۔ واضح رہے کہ ٹیوب ویل بجلی سے چلتے

ہیں۔ ان ذیلوں کی مدد سے صنعتی ترقی بھی ہوگی اور کارخانے بجلی کی مسلسل فراہمی کی وجہ سے زیادہ پیداوار دیں گے۔ آج فی ایکڑ فصل پیداوار بجلی کی مدد یعنی کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے جس سے زیادہ برآمد میں کمی اور بے روزگاری ہیں۔ بجلی ایک قدرتی کے ضائع ہو جاتے ہیں۔ ذیلوں سے بھی ہو کرنا بھی قدیمی تباہی کے زمرے میں آتا ہے کہ قدرت پانی مسلسل نظام سے زیادہ فائدہ فراہم کرتی رہتی ہے۔ ان میں کوئی خاص مول استعمال نہیں ہوتا۔ صرف پانی اور پانی۔ دوسرے برف کی شکل میں پانی محفوظ کرتے ہیں۔ اس طرح سے بجلی پیدا کرنے سے ماحول آلودہ نہیں ہوتا ہے۔ ان ذرائع میں پن بجلی مستقل ثابت ہوتا ہے۔ ان ذرائع کو کئی ممالک میں بہت زیادہ طریقہ سے چلا کر بہت زیادہ مقدار میں بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔ پن بجلی کے ذیلوں سے زراعت حسب ضرورت پانی دریاؤں اور نہروں میں رواں کیا جاتا ہے۔ پانی بلاوجہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس سے ذریعے پانی کی سطح دریاؤں اور انہار کے اردگرد میں پھیلنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ذیلوں سے سیلاب کو بھی قابو کیا جاتا ہے۔ سیلابوں سے ہر سال کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ ذیلوں سے وہ بچت آمدنی نہیں ہوتی۔ پن بجلی پیدا کرنے کے لئے صرف پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ استعمال کے بعد بھی کام آتا ہے۔ یعنی پن بجلی پیدا کرنے کے کئی فوائد ہیں۔ لہٰذا وقت ضائع کیے بغیر پن بجلی کے منصوبوں پر عملی کام شروع کیا جائے۔ اس پر خرچ کیا جانے والا سرمایہ بہت کم عرصہ (یعنی پانچ سال سے بھی کم) میں وصول ہو جائے گا۔ مزید فصل زیادہ اور مسلسل صنعتی پیداوار ملک میں خوشحالی لائے گی اور آلودگی سے بھی نجات مل جائے گی۔ سیلابوں کو زیر کیا جا سکے گا۔ زرعی زمینوں کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی۔ پانی ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ پن بجلی سے روزمرہ کی واشنگ مشین سے بھی نجات مل جائے گی۔ اگر یہ ڈیم پہلے ہی تعمیر کر لیے جاتے تو یہ بھی مہنگی ترین اور آج ہمیں توانائی کا بحران پیدا ہی نہیں ہونے دیتے اور اربوں روپے کے زرمبادلہ بچ جاتے۔ پن بجلی سے قدرتی گیس اور تیل کی بھی بچت ہوتی۔

بھی کھاد کے کارخانے قدرتی گیس استعمال کرتے تھے۔ اس لیے کہ گیس سے ملک میں سستی کھاد تیار ہوتی ہے جو کسانوں سے خریدی جاتی تھی اور کھاد بنانے والے کارخانے بھی گیس استعمال کرتے تھے۔ اس طرح بھی بہت سی گیس استعمال ہوتی تھی۔ اس طرف توجہ نہیں دی گئی اور صنعتی ترقی سے محروم رہے۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں گیس کی موجودگی کے باوجود صنعتی ترقی نہیں ہو سکی۔ آج بھی وہ علاقے گیس سے محروم ہیں۔ آج بھی ہم پن بجلی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوسرے ذرائع میں کمی کے مقام پر ایسے علاقے بھی پن بجلی پیدا کر سکتے ہیں جہاں بجلی کی بہت ضرورت ہے اور جہاں کی طرف پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ابھی قومیں مستقبل پر نظر رکھتی ہیں اور جہاں منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ امریکہ میں چھوٹے سے چھوٹے شہر کی سڑکیں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں کے برابر ہوتی ہیں تاکہ آئندہ پچاس ساٹھ سال بعد ان سڑکوں کو چوڑا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس طرح پانی کی لائنیں بھی اسی حساب سے بچھائی جاتی ہیں کہ پچاس ساٹھ سال بعد بھی کارآمد ہوں اور موسمی اثرات سے محفوظ رہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن بس کے اڈے اور ایئرپورٹ ہوتے ہیں کئی سالوں تک مزید توسیع کی ضرورت نہ پڑے۔ ہماری منصوبہ بندی کا یہ حال ہے کہ دس بارہ سال میں ہی مزید توسیع کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ناقص تعمیر کی وجہ سے بھی دوبارہ تعمیر و مرمت کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اور بیش قیمت نعمتوں سے نوازا ہے۔ قدرتی گیس سوئی کے مقام پر 1952ء میں دریافت ہوئی تھی جو کہ صوبہ بلوچستان میں واقع ہے اور سب سے پہلا گیس بحران کراچی میں 1955ء میں روشن ہوا تھا۔ اس وقت اندازہ تھا کہ یہ ذخائر سو سال تک کارآمد رہیں گے مگر استعمال کی رفتار سے اب اندازہ ہے کہ صرف 63 سال تک کے لئے کافی ہیں۔ بدقسمتی سے اب قدرتی گیس کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ قدرتی گیس سے کھاد تیار ہوتی ہے اور

بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اس لئے بہتم شکر ضرور ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔
قدرتی گیس نہ ہوتی تو توانائی کی صورت حال بہت زیادہ خراب ہوتی۔ توانائی کی قومی
پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت توانائی کے اخراجات کے لحاظ سے امریکہ سرفہرست ہے۔ یہاں
ریاست ہے متحدہ امریکہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے۔ امریکہ میں بجلی کے تسلسل سے
کے بارے میں کوئی شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر کبھی یہ خلل واقع ہو بھی گیا تو وہاں ہزاروں
ہو جائیں گے کیونکہ لیٹر اسٹریٹ کی عمارتوں میں لفٹیں رک جائیں گی ہوائی اڈے بند ہو جائیں گے
زیر زمین ریلوے کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ہزاروں آدمی دم گھٹنے سے موت کے منہ میں چلے
جائیں گے۔ تفریح، تعلیم اور بجلی کا انتظام بھی تو انسان ہی نے ترتیب دیا ہے۔ ہمارے ملک میں
یہ گمبھیر مسئلہ نہیں ہے۔ قدرتی گیس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں پتھر کا کوئلہ، سنگ مرمر،
تیل، گرینائیٹ، فیروزہ اور بھی بیش بہا اور بیش قیمت معدنیات سے ہمارے ملک کو نوازا ہے۔
کوئلہ کافی مقدار میں تو مرصوبوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کا استعمال سب سے کم ہے۔ اس کی کئی
وجوہات ہیں۔ ان میں رسائی، سستی اور کاہلی بھی شامل ہے۔ کوئلے پر جس قدر تحقیق اور ترقی ہونا
چاہیے تھی نہیں ہوئی۔ اب بھی موقع ہے کہ کوئلہ جیسے انعام خداوندی پر توجہ دی جائے۔ کوئلے سے
مختلف اقسام کے کیمیکلز تیار ہو سکتے ہیں۔ کوئلے کو گیس میں تبدیل کیا جا سکتا
ہے۔ [illegible] ذخائر 12.5 بلین ٹن ہیں جن میں سے 197.5 ملین ٹن کی پیداوار کی
جا چکی ہے۔ 188.1 بلین ٹن کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور 663 ملین ٹن کا صحیح اندازہ ہے۔
[illegible] ہے اور "بی ایس پی" کے مطابق سندھ میں کئی دریافت کے ذخائر کو
[illegible] میں [illegible] ہے جو کہ ہماری توانائی کی پانچ سو سال کی ضروریات کے لئے کافی
[illegible] [illegible] ہے ملک میں معدنی تیل نکالا جا رہا ہے۔ جس قدر تیل
[illegible] وقت [illegible] تک ملک کی تیل کی ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ تیل

کی ضروریات میں سات سے دس فیصد سالانہ اضافہ ہو رہا ہے اس طرح پچھلے کئی سالوں سے تیل
ضروریات کا چالیس فیصد حصہ تیل کی ذرائع سے پورا کیا جاتا ہے۔ تیل کی درآمد [illegible]
فیصد حصہ پن بجلی سے تیل اور ڈیزل دیگر کی صورت میں درآمد ہوتا ہے اور تقریباً [illegible]
صورت میں درآمد ہوتا ہے جو کہ ملک کی دو تیل صاف کرنے والی ریفائنریوں میں [illegible]
جو کہ بجلی گھروں اور دیگر کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پچھلے چھبیس سالوں سے ملک میں کوئی نئی
ریفائنری نہیں لگائی گئی ہے اس لئے بھی ہمیں لازمی صاف تیل درآمد کرنا ہوتا ہے جس پر بھاری
زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک توانائی کے میدان میں ذرائع اور ترقی نہیں ہوں
گے ملک توانائی کے بحران سے نہیں نکل سکے گا۔ یہ بحران دن بدن بڑھتا رہے گا اس سے
نتیجے میں زرعی، صنعتی اور دیگر ترقی متاثر ہوتی رہے گی۔ توانائی ملک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی
ہے۔ لہٰذا اس طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے سب سے پہلے تو ذرائع پر توجہ دی جائے جو
کہ توانائی کا سب سے آسان اور سستا ذریعہ ہیں اور اس کی بہت ملک میں بہت ضرورت ہے۔ اس
کے بعد توانائی کا سب سے بڑا منبع کوئلہ ہے اس کے استعمال پر توجہ دی جائے۔ ہمارے مسائل
ہمیں ہی حل کرنا ہیں۔ ہمارے کوئلہ کے لئے باہر کے ماہرین وہ کام نہیں کر سکیں گے جو کہ ایک
پاکستانی کر سکتا ہے۔ کیونکہ پاکستانی کوئلہ کے مسائل پاکستانی ماہرین ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔
اس وقت ملک میں توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ کوئلہ ہے اس پر مزید تحقیق اور ترقی کی ضرورت
ہے۔

اس کے علاوہ غیر روایتی ذرائع سے بھی توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جس میں شمسی توانائی،
ہوائی توانائی، جنگلات کی ترقی، بائیو گیس، موجی توانائی اور آبی توانائی وغیرہ شامل ہیں۔
ویسٹ ڈیزل بھی ایک بہت عمدہ صفائی آلودگی سے پاک سستی اور سہل ترین توانائی ہے۔ پانی

بائیڈرومن کا سب سے بڑا ذریعہ پانی ہے۔ بائیڈرومن پرتی روہ پانی میں گزارنے سے حاصل ہوتی
ہے۔ دنیا میں سے 21 فیصد کی آبادی 8 ارب بائیڈرومن ہوگی۔ بائیڈرومن آبادی
کے لحاظ سے سب سے زیادہ تر آبادی ہے۔ بائیڈرومن دنیا کا واحد نصف ہے جس میں نہ
نہیں ہے۔ بھی ہوتے ہے۔ بائیڈرومن آبادی پر تو بہت شہ ہوتی ہے۔

(ن 2010ء)

اردو
کیا

اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیجیے

پچھلے دو سالوں سے دوران تقریباً 25 سے زائد اشیائے خورد و نوش جن میں چینی، آٹا،
چاول، دالیں، خشک دودھ، مرغی، سبزیوں، مختلف قسم کی دالوں کی قیمتوں میں 100 سے 120
فیصد تک اضافہ کیا گیا۔ آٹا اور چینی کا بحران ملک بھر میں جاری رہا۔ اس ساری صورتحال سے متعلق
ذرائع کا کہنا ہے کہ گندم کا معاملہ بھی رہے۔ وفاقی ادارہ شماریات کی جون جولائی 2009ء کی رپورٹ
کے مطابق اشیائے خورد و نوش سمیت ہر چیز کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ میں خود
حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ 18 فروری 2008ء تا 6 فروری 2010ء تک گندم کی قیمت خرید میں
83 61 فیصد، چینی 168.55 فیصد، دودھ 12.06 فیصد، جبکہ پانے کے تیل کی قیمت میں
10.52 فیصد اضافہ ہوا۔

پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں گزشتہ 2 سال کے دوران متعدد بار اضافہ کیا گیا اور مہنگائی
کے بدل میں چھینی اور دہشت گردی کے گرداب میں گھری ہوئی عوام پر وقتاً فوقتاً حکومت
کی طرف سے پٹرول اور ڈیزل بم گرائے جاتے رہے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے سپریم کورٹ
نے جوڈیشل کمیشن تشکیل دیا جس نے انتہائی چابکدستی اور تیز رفتاری کیساتھ اپنی رپورٹ تیار کر

کے پیش کی۔ مذکورہ رپورٹ میں عوام سے ٹیکسز کی آڑ میں مائدہ ناجائز وصولیوں کی واضح طور
نشاندہی کی گئی اور اسے غیر منصفانہ اور غیر ضروری قرار دیکر حکومت سے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں
میں خاطر خواہ کمی کرنے کی سفارشات پر مبنی رپورٹ پیش کی۔ تاہم حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں
کمی کی مد میں بچائی گئی رقم کو ہڑپ کر دیا اور اعداد و شمار کی شعبدہ بازیوں اور الفاظ کے ہیر پھیر سے
ذریعے بدستور عوام کا خون نچوڑتا رہا۔ ملک میں بدترین مہنگائی کی ایک وجہ جہاں ٹیکسوں کا بوجھ
ہے وہاں حکومتی اہلکاروں، وزراء اور مشیروں کی عیاشیوں پر مبنی بیرونی دورے اور اس کے نتیجے میں
ہونے والے بھاری بھرکم اخراجات بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سال 2008ء اور 2009ء میں
مہنگائی عروج پر رہی اور آئے روز کی مہنگائی بدعنوانی، اشیائے ضروریہ کی قلت نے عوام کا جینا دوبھر
کیے رکھا ہے۔ جبکہ وزراء، مشیران اور انتظامی افسران نے اپنے اخراجات میں کوئی کمی نہیں کی۔

گزشتہ دو سالوں کے دوران موجودہ حکومت نے تعلیم اور صحت کی مد میں مختص کی گئی رقوم میں
تخفیف کی ہے۔ 30 جون 2009ء کو ختم ہونے والے مالی سال میں یہ بالترتیب 1.1 اور 0.3
فیصد رہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے تعلیم اور صحت کے میدان میں اس تناسب میں رقوم خرچ نہیں کی
گئی تھیں۔ معاشی تجزیہ نگاروں کے مطابق 1990ء کی دہائی کو فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے دور
میں سیاست سے بھی معیشت کے لحاظ سے ناکام دہائی قرار دی تھی۔ مگر اس دہائی میں بھی تعلیم
کی مد میں 2.3 فیصد اور صحت کی مد میں 0.7 فیصد رقوم خرچ کی گئی تھیں۔ مالی سال 2009ء میں
مجموعی ملکی پیداوار سے تعلیم اور صحت کی مد میں خرچ کی جانے والی یہ رقوم افریقہ کے
بہت سے انتہائی غریب ممالک کے مقابلے میں بھی انتہائی کم ہیں۔ جبکہ حکمران کے سرکاری خرچ اور
فضول خرچی پر مبنی اخراجات ان ممالک سے بھی زیادہ ہیں۔ وفاقی حکومت کی طرف سے تعلیمی
بجٹ [illegible] بھی تک ادا نہیں کی گئی ہے۔ اساتذہ کے مسائل، پاکستان کے
تعلیمی [illegible] تعلیمی اداروں میں کمی، بڑے شہروں میں یونیورسٹیوں اور کالجز

میں رہائش کی کمی، خصوصی طالبات کے لئے گرلز ہوسٹلز کی تعمیر، [illegible]
ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجز میں بھاری فیسوں سے متوسط اور غریب طبقے کے طلباء و طالبات
ہیں۔ ان اداروں میں رہائش کی سہولت نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے ان طلباء کو نجی ہاسٹلز [illegible]
ہے۔ نیز اساتذہ کی تقرری، ترقی، تبادلے اور رہائشی مسائل کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں [illegible]
حکومت نے ان دو سالوں کے دوران پورے ملک میں تعلیمی اداروں کی [illegible]
طلباء و طالبات اور ملازمت پیشہ خواتین کے لئے ہاسٹلز تعمیر نہیں کیے۔

سرکاری اور نجی یونیورسٹیز اور کالجز کو طلباء و طالبات سے لی جانے والی فیسوں میں [illegible]
حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح صحت کے [illegible]
کہ این جی اوز کی طرف سے دیے گئے ایجنڈے کے مطابق [illegible]
وزارت صحت میں تحلیل شدہ ادارے کی ساری کوشش [illegible]
سالوں کی جانب راغب کرنے پر لگی ہوئی ہے جبکہ پاکستان میں [illegible]
کثرت سے جاری ہے وہاں ادویات کی قیمتیں بغیر کسی حد [illegible]
پرائس کنٹرول کمیٹی نہیں ہے جو ان ڈرگ کمپنیوں کو قیمتیں بڑھانے سے روک سکیں۔

گزشتہ 2 سال کے دوران کرپشن کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیے گئے۔ کرپشن کی اجتماعی اور
انفرادی ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ قومی اداروں کو ذاتی جاگیر سمجھ کر لوٹا جا رہا ہے۔ نجکاری کے
نام پر کی گئی سرمایہ کاری عدم تحفظ کا شکار رہی۔ وزارتوں اور دیگر سرکاری اداروں میں قواعد سے ہٹ کر
بھرتیاں کی گئیں اور من پسند افراد کو نوازنے کا سلسلہ جاری رہا۔ سرکاری اداروں میں بھرتیوں کے
حوالے سے اشتہارات تو دیے گئے اور اس کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں اعلیٰ تعلیم
یافتہ نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے درخواستیں بھی جمع کرائیں، انٹرویو بھی
دیے۔ لیکن پہلے سے طے شدہ "فارمولے" کے تحت مخصوص لوگوں کو ہی نوکریوں سے نوازا

"Pakistan Climbs 5 places to 42nd most corrupt country in 2009"

"Pakistani needs immediate enforcement good governance and a transparent administration to counter the acute problems, the billion of rupees corruption scams reported in the Pakistan Steel TDAP EOBI PIA, rentel power plants, KESC, NIC NHA OGDC PSO, PEPCO, CDA DP Division DHAs the NBP many other organ

بری طرح متاثر کیا گیا ہے۔ انٹربینک کا ڈسکاؤنٹ ریٹ 15 فیصد ہے جس کی وجہ سے [illegible] کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئی ہے۔ 20 سے 24 فیصد سود پر قرضے لے کر کون کاروبار کر سکتا ہے؟ تیل کی قیمتیں عالمی منڈیوں میں 148 ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر 40 اور 36 ڈالر فی بیرل تک گر گئیں لیکن حکومت نے تیل کی قیمتوں میں کمی کر کے عوام کو ریلیف فراہم نہیں کیا۔ ایک اندازے کے مطابق حکومت عوام سے پٹرولیم مصنوعات پر مختلف ٹیکسوں کے ذریعے 80 ارب روپے سے زائد کما رہی ہے۔

موجودہ حکومت نے اپنے قیام سے ہی مالیہ کی آزادی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ عوام کو دھوکہ دینے کیلئے متعدد بار مالیہ کی آزادی کا اعتراف کیا گیا لیکن عملاً جس طریقہ سے 16 اکتوبر 2008ء کے دن عوام نے خود مالیہ کو بچوں کرایا (اس سے پہلے صدر صاحب نے خود کہا کہ عوام نے مالیہ کی آزادی کے لئے ووٹ نہیں دیئے بلکہ روٹی، کپڑا اور مکان کے لئے ووٹ دیئے ہیں)۔ پٹرولیم مصنوعات اور چینی کی قیمتوں میں ناجائز اضافہ اور بحران کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عملدرآمد کرنے کی بجائے پٹرولیم مصنوعات پر پٹرولیم ڈویلپمنٹ لیوی لگائی گئی اور چینی مافیا کے خلاف کسی قسم کی کارروائی تک میں نہیں لائی گئی۔ بلکہ سپریم کورٹ کے واضح حکم میں چینی کی متعین کردہ قیمت سے باوجود حکومت اور بالخصوص وفاقی حکومت کی طرف سے چینی مافیا کو اپنی صفوں سے نکالنے کے کسی کارروائی کی بجائے ان کی حمایت کی گئی اور اس طرح اس فیصلہ پر بھی عملدرآمد نہیں ہو سکا جس کے نتیجے میں آج چینی کی فی کلو قیمت 80 روپے تک پہنچ گئی ہے اور ملک بھر میں چینی کا شدید بحران ہے۔ این آر او جیسا کالا قانون جو پرویز مشرف نے پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کو قومی چور دینے کے لئے نافذ کیا تھا، اس کا وفاع کیا گیا اور [illegible] سے پس و پیش کرتے رہے۔ تاہم شدید عوامی دباؤ کے باعث حکومت کو اپنی اس [illegible] سے پیچھے ہٹنا پڑا اور پارلیمنٹ نے اسے منظور کرنے سے صاف انکار [illegible]

(جون 2010ء)

اردو کیلئے

لوٹ مار، دھونس دھاندلی کب تک؟

دو سال سے زائد عرصہ سے برسر اقتدار حکومت نے مثبت تنقید، اپنی چند ایک غلطیوں اور بری طرح ناکام معیشت کے علاوہ جس چیز کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا ہے وہ ہے میڈیا۔ ان کے نزدیک معتوب ہے جو حکومتی غلطیوں کی نشاندہی کرے۔ سیاست کے جو سے جو گل کھلائے جا رہے ہیں اس سے تو پاکستانی بخوبی آگاہ ہیں کیونکہ ہمارے حکمرانوں کا یہ مرغوب مشغول ہے لیکن معیشت کے حوالے سے پاکستان کو تحت الثریٰ کی جن گہرائیوں میں دھکیلا جا رہا ہے اس کا تصور بھی لرزا دینے والا ہے۔

عالمی بینک نے حال ہی میں جاری کی جانے والی اپنی رپورٹ میں پاکستان کو بدترین معیشت والے ملکوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے قبل افغانستان اور نیپال اس فہرست میں موجود تھے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دہشت گردی اور امن و امان کے مسائل گزشتہ چند سالوں سے کافی حد تک بڑھ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کی معیشت بالکل تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات اب تک افغانستان کی نہج تک نہیں پہنچے ہیں مگر اس کے باوجود حالات اتنے خراب ہیں کہ آئندہ چند سالوں میں معیشت کی بحالی کے امکانات نظر نہیں آتے۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ نے جہاں معاشی ترقی کے حکومتی دعووں کی قلعی کھول دی ہے وہیں
اپنی بھرکے ترقی یافتہ ملکوں کو ایک خاموش پیغام بھی دیا ہے کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری سے
بچے بھارت اور سری لنکا جیسے ممالک میں سرمایہ کاری کو ترجیح دیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ
بھارت کی معاشی ترقی کی رفتار ترقی کی طرف گامزن ہے جبکہ سری لنکا کی معیشت بھی تامل ٹائیگرز
سے چھٹکارے کے بعد ترقی کے زینے چڑھ رہی ہے۔ عالمی بینک کی یہ رپورٹ ایسے وقت میں
جاری کی گئی ہے جب پاکستان کی حکومت اپنی کئی بڑی کمپنیوں کے بانڈز عالمی مارکیٹ میں
متعارف کرانے کا اعلان کر چکی ہے اور کئی روڈ شوبھی ان بانڈز کی مارکیٹنگ کے لئے متعارف
کرائے گئے ہیں جبکہ حکومتی سطح پر یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں سرکاری اداروں کی نجکاری کا
عمل دوبارہ شروع کیا جائے گا جس کے تحت پہلے مرحلے میں بڑی انرجی کمپنیوں جس میں او جی
ڈی سی ایل اور پاکستان اسٹیٹ آئل شامل ہیں کے بانڈز جاری کیے جائیں گے جس سے حکومت
کو خطیر خوابوآمدنی ہوگی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اب تک اس رپورٹ میں پاکستان کے خلاف جو زہر اگلا
گیا ہے اس پر کوئی شرمندگی نہیں چھپ گیا اور نہ ہی حزب اختلاف کے نمائندوں نے اس پر کوئی آواز
اٹھائی ہے۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں امن وامان کا جو منظر نامہ پیش کیا ہے،
زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں دہشت گردی کے
واقعات بڑھنے کی نشاندہی کی ہے مگر عالمی بینک کو یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے یہ
واقعات اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ یہ مسائل تو ہمیں امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ
ممالک سے طفیل میں ملے ہیں اور یہ حقائق تو یہ ہیں کہ پاکستان نے اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا کر عالمی
دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی مدد کی ہے مگر اس کے بدلے
میں ان ممالک نے پاکستان سے جو وعدے کیے گئے تھے وہ ایک سال گزر جانے کے

باوجود پورے نہیں ہوئے۔ پاکستان میں دہشت گردی سے پہلے ہونے والے واقعات کی روک تھام
اور پاکستان کی معاشی ترقی میں حائل رکاوٹوں سے متعلق سے اب پاکستان خود بھی دہشت گردی
کی لپیٹ میں ہے جس میں پاکستان سے پڑوسی ممالک سمیت کئی ترقی یافتہ ممالک بھی شامل تھے مگر اس خوفناک
صورتحال کے باوجود پاکستان کی قومی معیشت نے نہ صرف اپنی ترقی کا سفر جاری رکھا ہوا ہے بلکہ
عالمی برادری سے ملنے والی امداد میں بھی کمی نہیں آئی ہے تو وہ
رپورٹ سے متعلق زمینی حقائق سے متضاد ہے۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ سے سازش کی بو آرہی ہے اور لگتا ہے ایسا اس پروجیکٹ سے پڑوسی
ممالک کی لابی نے کیا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی سے واقعات میں گزشتہ چند سالوں میں
اضافہ ضرور ہوا ہے مگر یہ دہشت گردی پاکستان سے چند حصوں تک محدود ہے جس میں اس وقت
سرفہرست سرحد اور بلوچستان ہیں جبکہ پنجاب کے بعض علاقے بھی اس سے جزوی متاثر ہوئے
ہیں اور پاکستان کی معیشت میں اہم ترین کردار ادا کرنے والے شہر کراچی میں آئے روز واقعات ہوئے
بھی ہیں تو وہ بہت کم ہیں مگر عالمی بینک کی رپورٹ میں اس امر کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی ہے کہ وہ
کون سے علاقے ہیں جو دہشت گردی سے زیادہ متاثر ہیں۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ پر معاشی ماہرین بھی کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آتے۔ ان کا کہنا ہے کہ
ہر مشکل میں ضرور ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری معیشت کی شرح نمو اضافہ کی طرف گامزن ہے
اور رواں مالی سال میں بھی ملک میں جی ڈی پی کی ترقی کی شرح بڑھائی سے تین فیصد رہنے کا
امکان ہے جبکہ آئندہ سال اس ترقی کی شرح چار فیصد تک متوقع ہے۔ پاکستان کو معاشی طور پر جن
مسائل کا سامنا ہے۔ وہ بھی ہمارے نام نہاد دوست ممالک کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اس وقت
پاکستان کو سب سے بڑا مسئلہ توانائی کا ہے۔ جس کو حل کرنے کے لئے ہمارے دو دوست ممالک
جن کی خاطر ہم نے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ وہ بھی اس میں ہماری مدد کے
نے صرف اعلانات ہی کر رہے ہیں جبکہ عملی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا رہا۔ معاشی ماہرین کے

بقول پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس رپورٹ پر عالمی بینک کے پاس اپنا احتجاج ریکارڈ کرائے اور اس رپورٹ پر خاموش نہ بیٹھے بلکہ اس کو مجبور کرے کہ وہ اس رپورٹ میں سے پاکستان کا نام نکالے کیونکہ پاکستان اور افغانستان کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پاکستان میں امن وامان کے حالات کو افغانستان سے نہ ملایا جائے۔ پاکستان کی معیشت نامساعد حالات سے باوجود تراوٹ کی طرف نہیں ہے اور اب تک اس کی ترقی کی شرح مثبت رہی ہے۔ پاکستان میں نئی انڈسٹریاں اب بھی لگ رہی ہیں اور کئی غیر ملکی تاجر واپس پاکستان میں بدستور نئی سرمایہ کاری کے منصوبے شروع کر رہے ہیں۔ عالمی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف سمیت کئی ممالک پاکستان کی معاشی ترقی کا اعتراف کر چکے ہیں اور آئی ایم ایف نے حال ہی میں ایک بیان بھی جاری کیا ہے جس میں پاکستان کے معاشی حالات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے اور اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ پاکستان معاشی مسائل کے گرداب سے باہر نکل آیا ہے۔ عالمی بینک نے اپنی اس رپورٹ کی تیاری میں آئی ایم ایف کی ان رپورٹس کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ عالمی بینک کا شمار دنیا کے چند بڑے مالیاتی اداروں میں ہوتا ہے جس کی رپورٹس کو دنیا بھر کے سرمایہ کار اہم نظروں سے دیکھتے ہیں لہٰذا اس کی جانب سے پاکستان کو معاشی بدحال ممالک کی فہرست میں شامل کرنا افسوسناک ہے جس سے نہ صرف پاکستان کے امیج پر اثر پڑے گا بلکہ نئے سرمایہ کاروں کے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچے گی۔ معاشی ماہرین کے نزدیک اگر ایسی کوئی رپورٹ بھارت سے جاری ہوتی تو بھارت نہ صرف اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا بلکہ اس پر اتنا احتجاج کرتا کہ عالمی بینک کو اپنی رپورٹ پر نظر ثانی اور معافی مانگنا پڑتی مگر چونکہ ہمارے حکمران اپنے ذاتی مفادات کے گرد گھومنے والی فلم میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اس رپورٹ پر کوئی آواز اب تک نہیں اٹھائی گئی جو ان کی خراب کارکردگی اور ناکام سفارتکاری کا منہ بولتا ثبوت

ہے۔ بھارت پاکستان کو ناکام ریاست قرار دلانے کے لئے ہر محاذ پر سازش کر رہا ہے۔ یہ ان کرپشن کہانیوں کا ایک حصہ ہے جو ہم نے خود اپنے آپ کو لگائی اور جس نے ہمارے معیشت و اندرونی امور کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان نے کہا ہے کہ ایک سال میں پاکستان میں کرپشن کی شرح 100 فیصد بڑھ گئی ہے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق سال 2008-09ء کے دوران 323 ارب روپے خورد برد کر لئے گئے ہیں جو کہ صرف ریونیو پاور پروجیکٹس کی مد میں 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اسمبلی ممبرز میں 29 ارب اور پی سی پی میں 9 ارب کی کرپشن سامنے آئی ہے۔ زلزلہ زدگان کے ارب روپے کی بے ضابطگیاں محکمہ دفاع میں کی گئی ہیں جو کہ مجموعی طور پر 63.0 فیصد بنتی ہیں۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی اس رپورٹ میں اور بھی دل دہلا دینے والے اور دماغ کو چکرا دینے والے انکشافات ہیں۔ اس رپورٹ میں سب سے زیادہ حیران کن انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ سب سے زیادہ بے ضابطگیاں بورڈ آف ریونیو میں 116 ارب روپے کی گئی ہیں جبکہ وزارت پانی و بجلی کو "رنر اپ" ہونے کا "اعزاز" حاصل ہے۔ اس میں ایک سو گیارہ ارب روپے کی بے ضابطگیاں پائی گئیں۔ وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل کے حسابات میں 17 ارب پاکستان ریلوے کے کھاتوں میں 16 ارب کی گڑبڑ پائی گئی۔ پاکستان اسمبلی ممبرز کی انتظامیہ بھی آڈیٹرز کو 16 ارب روپے کا حساب کتاب پیش نہیں کر سکی۔ پاکستان بیت المال میں 94 کروڑ پورٹ قاسم میں 76 کروڑ اور پاکستان اسٹیٹ آئل کے پاس 66 کروڑ روپے کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ باقی شعبوں کا حال بھی "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" والا ہے۔

آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی یہ رپورٹ خود اپنے اوپر مکمل تبصرہ بھی ہے اور اپنی وضاحت آپ بھی! یہ حزب اختلاف کے کسی رہنما کا بیان نہیں بلکہ اس سرکاری ادارے کے سربراہ کی رپورٹ ہے جس کا وظیفہ ہی سرکاری اداروں میں کام کی شفافیت سے متعلق مستند حقائق پیش کرنا ہے۔ گویا

کہ یہ سرکاری محکموں اور وزارتوں میں ہونے والی بدعنوانیوں سے متعلق خود سرکار کا بیان ہے جس کو سرکاری ترجمان غلط قرار نہیں دے سکتے۔ اس رپورٹ نے سیاسی حلقوں اور ذرائع ابلاغ کی ان رپورٹوں کی تصدیق کر دی ہے جن میں بتایا جا رہا تھا کہ ملک میں کرپشن اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ کچھ عرصہ قبل سپریم کورٹ کے ایک معزز جج نے موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں کرپشن صرف وہ نہیں کر رہا ہے۔ جس کو موقع نہیں مل رہا۔ اس بیان کی سچائی آج بھی نہ صرف پوری طرح قائم ہے بلکہ حالیہ رپورٹ کو سامنے رکھا جائے تو یہ سچائی مزید کھل کر بلکہ مزید وسعت اور گہرائی کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس رپورٹ میں چند بڑے اور نمایاں شعبوں اور ان میں کی جانے والی بدعنوانیوں کا جس طرح تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ چشم کشا ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر محبوب الحق کی رپورٹ بھی یاد آجاتی ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں ڈاکٹر محبوب الحق اہم منصب پر فائز رہے۔ انہوں نے اسی دور میں بتایا تھا کہ پاکستان میں سالانہ 600 ارب روپے کی کرپشن ہوتی ہے۔ آج عشروں بعد جب پاکستان کا بجٹ ضیاء الحق کے زمانے کے بجٹ سے چار گنا بڑھ کر 23 کھرب ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ کے حوالے سے دیکھا جائے تو کم سے کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بجٹ کی رقم میں اضافے کے ساتھ کرپشن میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں اگر قوم کے صرف 20 فیصد مسائل ہی حل ہو گئے ہوتے، باقی 80 فیصد بے شک بیوروکریسی سمیت حکمران مل کر کھا جاتے تو عوام بلکہ رعایا صبر بھی کر لیتے لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف اتنی رقوم قوم کسی طرح حکومت کو کاروبار مملکت چلانے کے لئے دے رہی ہے۔ اس کے بدلے اسے 25 فیصد بھی نہیں مل رہا۔ اس رپورٹ میں جن وزارتوں کے بارے میں کروڑوں کرپشن کے گئے ہیں ان سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شعبے کس قسم کے لوگوں کے حوالے کئے گئے ہیں اور وہ ان کا انتظام کس طرح چلا رہے ہیں کیونکہ اتنے بڑے پیمانے پر گڑبڑ [illegible]

[illegible] محکموں پر وزارت دفاع بھی شامل ہے۔ دوسرے شعبوں کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں ہو گا۔ جن ملک کا دفاع کرنے والے ادارے کے حوالے سے ایسی خبریں پر قوم کو خوشی نہیں ہو سکتی۔ اور سب سے دلچسپ امر یہ کہ ایف بی آر کے نام سے جو ادارہ قوم سے چند ہزار روپے مالیت کی [illegible] نہیں وصول کرتا ہے اور ماچس کی ڈبیا تک اس کی "نظر کرم" سے محروم نہیں رہتی "وزارت" [illegible] زوال ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ خود اس ادارے کے اندر یہ صورت اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن ہے کہ اس نے دوسرے تمام کے تمام اداروں کو گویا دیوالیہ بھگا دیا ہے۔ یہاں صرف یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر گھپلوں کے بعد ایف بی آر قوم کے محنت کش طبقے سے ٹیکس وصول کرنے کا کیا اور کتنا حق ہے اور حکومت کو بھی بتانا چاہیے کہ اس رپورٹ پر اس کا کیا تبصرہ ہے اور اس لوٹے ہوئے قومی خزانے کو واپس کرنے کے لئے اس کے پاس کیا پروگرام ہے۔

اس وقت ملک میں بجلی کا بحران ہر روز بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ مذکورہ بالا رپورٹ سے تناظر میں دیکھا جائے تو اس بحران کی اصل وجہ بھی بدعنوانی ہی قرار پاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق رینٹل پاور پروجیکٹ کے نام پر 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا موقف درست معلوم ہونے لگتا ہے جن کا خیال ہے کہ ملک میں بجلی کا بحران مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال لاحاصل ہے کہ بجلی ہی نہیں ہو گی تو صنعت و حرفت کا پہیہ کس طرح رواں ہو گا اور معیشت کس طرح ترقی کرے گی۔

یہ سارے اللے تللے ایسے وقت میں جاری ہیں جب ملک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ حد سے تجاوز ہوتا جا رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق آئی ایم ایف سے مزید ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرض لیا جا رہا ہے جبکہ عالمی بینک کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کو بجلی کی فراہمی کے لئے 90 کروڑ ڈالر یعنی تقریباً ایک ارب ڈالر قرض دے گا۔ گویا ان دو ہی مدات میں پاکستان پر سوا دو ارب ڈالر کا مزید قرضہ چڑھ جائے گا۔ جبکہ ماہرین معیشت ہی خبردار کر چکے ہیں کہ یہ

صورتحال جاری رہی تو آئندہ چند برسوں میں پاکستان پر غیر ملکی قرضوں کا بار 60 ارب ڈالر سے تجاوز کر جائے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت بھی پاکستان پر صرف غیر ملکی قرضوں کا بار 50 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے جبکہ تجارتی خسارے کے بارے میں حکمران بالکل چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حکمرانوں کے لئے ہوش کے ناخن لینے اور سنبھلنے کا وقت ہے۔ اگر ملک میں اسی طرح کرپشن اور بدعنوانی کا یہ سلسلہ جاری رہا اور عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ حکمرانوں کو کس قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بدقسمتی کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی ایسے الزام کا جواب ہی نہیں دیا جاتا اور ضد کی سی کیفیت طاری کی جا رہی ہے جو ملک کو سوائے تباہی کی طرف لے جانے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہی۔

(جون 2010ء)

جھوٹ کا دھندہ کب تک؟

روزمرہ میں استعمال ہونے والی کھانے پینے کی چیزوں اور مسالوں میں ملاوٹ جتنی کہ پہلے ہوا کرتی تھی لیکن موجودہ حکومت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اعداد و شمار میں ہیرا پھیری کے ذریعے معاشی ترقی کا ایک نادر کارنامہ انجام دیا ہے۔ معاشیت کے سارے ماہرین عام آدمی کے تجربات کی گواہی کی روشنی میں یہ کہہ رہے تھے کہ 2010-2009ء پاکستان کی معاشی تاریخ میں بہت ہی مشکل سال رہا ہے۔ معیشت جن مشکلات سے دوچار رہی ان میں بجلی اور گیس کی بحران، صنعتی پیداوار اور برآمدات میں کمی، سرمایہ کاری کی سست روی، مہنگائی کا طوفان، بے روزگاری میں اضافہ، روپے کی مالی قیمت میں کمی قابل ذکر ہیں۔ اور ان سب عوامل کی وجہ سے خود اسٹیٹ بنک کی مارچ 2010ء تک کی تمام ہی رپورٹوں میں معیشت میں شرح نمو (Growth rate) کے بارے میں اندازہ تھا کہ وہ 2.5 اور 3 فی صد کے درمیان ہوگی اور بہت زور لگایا تو شاید 3.5 فی صد ہو جائے۔ لیکن کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بجٹ سے ایک دو پہلے مئی 2010ء میں حکومت یہ انکشاف کرے گی کہ سال رواں میں جی ڈی پی میں نمو 4.1 فیصد ہوگا۔ نیشنل اکاؤنٹس کمیٹی نے یہ اعلان کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

لیکن جب اس محیر العقول تبدیلی کا سبب دریافت کیا گیا تو یہ حیران کن بات سامنے آئی کہ اس سال شرح نمو میں اضافہ دکھانے کے لئے گزشتہ دو سالوں کی شرح نمو پر نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ اس کی بنیاد (base) کو نیچے لے جا کر سال رواں میں ترقی کی رفتار کو زیادہ دکھایا جا سکے۔

پہلے دعویٰ کیا گیا 2007-08ء میں 4.1 فی صد ترقی کا جو دعویٰ کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ بلکہ اصل اضافہ 3.7 فی صد تھا۔ پھر یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ 3.7 فیصد نہیں 3.3 فیصد تھا اور اسی طرح 2008-09ء میں اضافہ 2 فیصد نہیں تھا بلکہ صرف 1.2 فیصد تھا۔ اعداد و شمار میں اس ردوبدل کے نتیجے میں 2009-10 کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ متوقع اضافہ 3 فیصد نہیں، بلکہ 4.1 فیصد ہے۔ گویا 2008-09 کے مقابلے میں ساڑھے تین گنا اضافہ ہوا ہے جسے ایک عظیم کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

جب پوچھا گیا کہ معیشت کے تمام بڑے بڑے مراکز تو کوئی اچھی صورت حال ظاہر نہیں کر رہے اور خصوصیت سے توانائی کے بحران کی وجہ سے پیداوار میں یہ اضافہ قابل فہم نہیں ہے۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اصل اضافہ تعمیرات کے شعبے (contruction industry) کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے سال رواں میں 15 فیصد کے حساب سے ترقی کی ہے حالانکہ اسٹیل اور سیمنٹ دونوں جو اس صنعت کے اہم ترین بنیادی اجزاء ہیں، دونوں مشکلات کا شکار رہے ہیں، پھر اس کے باوجود اس صنعت میں 15 فیصد اضافہ کیسے ہو گیا؟ اس سوال کا کوئی معقول جواب پیش نہ کیا جا سکا۔ اسی طرح ایگریکلچر سیکٹر میں بھی دگنا اضافے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یوں اعداد و شمار کے ہیر پھیر سے معاشی ترقی کی رفتار میں اضافے کا شعبدہ دکھا دیا گیا۔ پاکستان کے کئی معروف ماہرین معیشت مثلاً ڈاکٹر ایس اکبر زیدی (ڈان، 24 مئی 2010ء) اور ڈاکٹر اشفاق حسین (ڈان 18 مئی 2010ء) اور ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی (جنگ 25 مئی 2010ء) نے اس [illegible] ہے۔ ڈاکٹر زیدی نے بڑی دردمندی سے ملکی معیشت کے ذمہ

داروں کو بڑا مفید مشورہ دیا ہے۔ ہم یہ تاثر دیتے ہوئے کہ ہم بھی معیشت کی بہتر کارکردگی سے پریشان ہیں، ان شعبدہ کاریوں سے پردہ اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ان تمام عوام کو دیکھتے ہوئے جنہوں نے گزشتہ دو برسوں میں پاکستان کی معیشت کا جائزہ لیا ہے۔ ان میں سے صرف چند کو بیان کیا ہے۔ کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا جو پاکستانی معیشت میں حیرت انگیز بہتری رونما ہو سکے۔ اگر ایسا ہوا ہے جیسا کہ پاکستانی معیشت سے متعلق اداروں کا دعویٰ ہے کہ ہوا ہے تو ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے معاشی اشاریوں میں بنیادی تبدیلی کو ثابت کر دیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے کارناموں کے ثبوت مہیا کریں تاکہ دوسرے بھی سیکھ سکیں۔ (روزنامہ ڈان، 24 مئی 2010ء)

حکومت نے آئندہ مالی سال 2010-11 کے وفاقی بجٹ کا اعلان کرتے وقت کہا ہے کہ ملک کی آمدنی دو اعشاریہ تین ٹریلین یعنی تین ہزار دو سو اکسٹھ روپے ہوگی جبکہ بجٹ میں خرچ کیے جانے والے اخراجات کا تخمینہ تین ٹریلین لگایا گیا ہے۔ گویا یہ بچت سو پچھتر ارب روپے کے خسارے کا بجٹ ہے، یعنی آمدنی اخلی خرچ روپیہ لیکن آمدن اور خرچ کے فرق کو کون پورا کرے گا؟ کہیں سے تقریباً سات سو بلین روپے، حکومت ایک ہی سانس میں اس کا حل بھی بتا رہی ہے کہ اس فرق کو قرض کی رقم سے پورا کر لیا جائے گا لیکن یاد رکھو جو قرض لیتا ہے اپنی آزادی گنوا بیٹھتا ہے۔

آیئے پہلے اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ حکومت کو آمدن کیسے ہوتی ہے، وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق براہ راست ٹیکسوں سے 35 فیصد اور بالواسطہ ٹیکسوں سے 65 فیصد، اس کا مطلب یہ ہوا کہ 65 فیصد ٹیکس عوام پر لگایا جاتا ہے۔

عوام ٹیکس دینے کی سکت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یہ ٹیکس مختلف اشیائے صرف کی قیمتوں میں شامل کر کے زبردستی وصول کر لیا جاتا ہے، یا مختلف قسم کی سروسز کے ساتھ ملا کر وصول کر لیا جاتا ہے، یعنی غریب آدمی کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ اشیائے خورد و نوش اور مختلف قسم کے یوٹیلٹی بلز ادا

کرنے پر صرف ہوتا ہے، اس لئے غریب آدمی کو اپنی آمدنی کے سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس بجٹ کو غریب عوام کا بجٹ (Pro- Poor budget) کہا جا رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں غریبوں کی اصل دشمن تو ان کی غربت ہے نہ کہ حکومت۔

اب ذرا حکومت کے اپنے اخراجات کی بات ہو جائے۔

ایوان صدر کے سٹاف کا خرچہ، الاؤنسز اور گھریلو اخراجات روزانہ کا کل خرچ دس لاکھ روپے یعنی سالانہ 36 کروڑ پچاس لاکھ روپے۔

وزیراعظم سیکرٹریٹ روزانہ خرچ بارہ لاکھ روپے، سالانہ خرچ 43 کروڑ روپے تقریباً۔

قومی اسمبلی روزانہ خرچ چالیس لاکھ روپے۔

سینیٹ آف پاکستان روزانہ ستراسی روپے، کیبنٹ سیکرٹریٹ سالانہ ستراسی یا بیس کروڑ روپے روزانہ خرچ۔ حکومت کے خرچ دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ غریبوں کی جیبوں سے ٹیکسوں کے ذریعے جس قدر روپیہ نکال سکتے ہو نکال لو اور بدلے میں صرف طفل تسلیاں دلاسے اور امیدیں دو کیونکہ غریب انہی چیزوں کے سہارے زندہ ہیں۔ اور تیار ہو جاؤ کہ ویٹ یعنی ویلیو ایڈڈ ٹیکس کا استقبال بھی کرنا ہے، ایک اور بالواسطہ ٹیکس حکومت کا خیال ہے کہ اس ٹیکس سے ستر ارب روپے اکٹھے ہوں گے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ امیدیں اور توقعات صرف بیوقوفوں کے ہونے کا چارہ ہے، حقیقت یہ ہے۔ ملک کی آمدنی اور اخراجات میں بہت بڑا فرق ہے اور [illegible] کی جاتی ہے کہ خسارہ وہ رقم ہے جو ہمارے صدر سے لے کر نچلی سطح تک حکومت [illegible] خرچ کرتے ہیں لیکن چند ان فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ [illegible] قرض لینے کا طریقہ ہمیں آتا ہے، کشکول لے کر بھیک مانگیں گے اور پھر [illegible] ہمارے بچے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی ہمارا ہاتھ

بٹائیں گی، قرض اتاریں گی ملک سنواریں گی۔

اشرافیہ راتوں کو اکیلے میں خوف کے مارے چلاتے ہوئے دیوار ہو جاتا ہوں [illegible] آدمی کا دکھ درد سچا ہے جو اکیلا ہے اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں، بابا ایک اچھی خبر بھی آئی ہے [illegible] پہلی بار حصص کے کاروبار پر بھی ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے لیکن بڑے بڑے [illegible] رہنماؤں اور کمرشل پراپرٹی کا کاروبار کرنے والوں کو صاف چھوڑ دیا گیا ہے، ان جائیدادوں پر ٹیکس کیوں نہیں لگایا جا سکتا، کرنے کے کام تو اور بھی بہت سارے ہو سکتے ہیں، وزیراعظم سے صدر جناب آصف علی زرداری اور وزیراعظم محترم سید یوسف رضا گیلانی ایک جگہ اپنے ملک میں کیوں نہیں رہ سکتے، یہ دونوں شخصیات کیوں ہوائی دوروں پر رہتی ہیں اور ہمارے وزیر داخلہ رحمان ملک بدھا نوی وزیراعظم ذیوڈ کیمرون کی طرح بس میں سفر کیوں نہیں کرتے کیوں اکیلے طیارے میں اڑتے پھرتے ہیں۔

ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟ نہ امریکہ نہ اسرائیل نہ بھارت بلکہ ہماری حکومت کی نااہلی جو اپنی آمدن پر قناعت نہیں کر سکتی۔

پچھلے تریسٹھ سالوں سے ہم بڑے بڑے ڈھول پیٹ رہے ہیں، ہم پاکستان میں ہر برائی کے پیچھے سی آئی اے، اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کو موٹ کر دیتے ہیں، یاد رکھیں کہ بے وقوف کی مثال بڑے ڈھول کی سی ہے جو بجتا تو خوب ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔

اس بجٹ کے ذریعے ستر ہ کروڑ عوام میں سے صرف اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے وزراء یا سینیٹروں میں بیٹھے ہوئے دو سو وزیروں کو فائدہ ہوا جبکہ بقیہ سولہ کروڑ ننانوے لاکھ کے قریب عوام اس وقت سخت بھوک، طیش اور غربت میں مبتلا ہیں۔

میرے ہم وطنو! غصہ مت کرو کیونکہ پاک وطن میں اب غصے میں آنا بھی عیاشی سے کم نہیں،

کیونکہ کبھی کبھی غصہ بہت مہنگا پڑتا ہے۔ حکومت کے وعدوں میں کوئی وعدہ سچا ہے تو وہ ٹیکس لگانے کا
وعدہ ہے سڑکوں پر چلنے والی موت کا وعدہ۔ مجھے پیسوں کی جب بھی ضرورت پڑی تو مجھے بتایا گیا کہ
قرض لینا آسان ہے لیکن چکانا مشکل ہے قرض لینے کے لئے وہ شخص تیار رہتا ہے جو جھوٹ بولنے
کے لئے تیار رہتا ہے۔ پس ہمارا نیا مالی سال بھی خیرات اور قرض مانگ کر شروع ہو رہا ہے اللہ خیر
کرے جیسا شرمناک آغاز ویسا شرمناک انجام۔

ہمارے وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کا وفد برسلز میں ہوٹل کا خرچ 60 یورو، لیموزین
گاڑیوں کا خرچ ایک لاکھ بارہ ہزار یورو، ڈنر کا خرچ ڈھائی ہزار یورو۔
قرض کی رقم سے دو کروڑ خرچ ہو گئے۔

اللہ اللہ خیر صلا!

(جولائی 2010ء)

آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں

بجٹ آنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے اس حوالے سے جتنے دعوے
کیے گئے تھے جتنی بڑھکیں ماری گئی تھیں وہ سب حسب روایت محبوب کے وعدوں کی طرح جھوٹ ثابت
ہو کر رہ گئے ہیں اور زمینی سچائی یہ ہے کہ تمام تر حکومتی دعووں اور بلند آہنگ اعلانات کے باوجود
مہنگائی کی شرح میں اضافے کا تسلسل جاری ہے۔ مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 13
رہی۔ سرکاری ادارے وفاقی ادارہ شماریات کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق جولائی
2009ء تا مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 11.4 فیصد ریکارڈ کی گئی تھی جو گزشتہ برس
سے تقریباً نصف ہے۔ گزشتہ ماہ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں 14.8 فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔ ان
سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں 26.2 فیصد اضافہ ہوا۔ جبکہ وفاقی
برزری تجارت نے اعتراف کیا ہے کہ ملکی معیشت مشکل ترین حالات سے دوچار ہے۔ یورپی
یونین اور امریکہ عالمی مالیاتی بحران کے باعث پاکستان کو تجارت میں رعایت دینے کے لئے تیار
نہیں ہیں۔ سیکرٹری تجارت نے انتہائی حیران کن انکشاف بھی کیا کہ وزارت تجارت کو فنڈ دہشت
گردی کے خلاف جنگ میں استعمال ہو رہا ہے جبکہ 3 سالہ تجارتی پالیسی کا فریم ورک ابھی تک

منظور نہیں ہوگا۔

اتنی کو اب بھی شبہ ہے کہ حکومت کی معاشی و اقتصادی پالیسیوں کے بابت میڈیا جو کچھ بیان کر رہا ہے وہ محض حکومت کی مخالفت میں ہے اور اس کا مقصد کسی بھی نوع کی اصلاح کا نہیں تو اسے صرف ان دو ہی رپورٹوں کو توجہ سے پڑھ لینا چاہیے۔ وفاقی ادارہ برائے شماریات خالص سرکاری ادارہ اور وفاقی سیکرٹری تجارت سو فیصد سرکاری ملازم ہیں۔ وہ اپنے "باس" یا "باسوں" کے خلاف بیان دے ہی نہیں سکتے۔ اس کے باوجود انہوں نے کمال جرات سے کام لے کر یہ بیان دیا ہے تو اس سے حکومت کی پوری کی پوری اقتصادی پالیسی بے نقاب ہو جاتی ہے۔ جس حکومت نے ڈھائی برسوں میں تجارتی پالیسی کا فریم ورک تک منظور نہیں کیا اور اس وزارت کا فنڈ تک اخبار کی جنگ میں جھونک رہی ہے اور اگر خود وفاقی سیکرٹری تجارت یہ انکشاف نہیں کرتے تو قوم کو شاید ہرگز اس زبردست دھاندلی کا علم نہیں ہو پاتا۔ وہ حکومت قومی معیشت و اقتصادیات کی بحالی اور بہتری کے لئے کیا کچھ کرے گی اور جب 9 گھنٹے بجلی کا بحران اور اس کے نتیجے میں صنعتوں کی بندش کا سلسلہ بھی رکنے میں نہیں آرہا۔ اس کے باوجود ہمارے وزیر خارجہ سے لے کر وزیر اعظم اور صدر صاحب تک مسلسل چیخ رہے ہیں کہ اس جنگ میں پاکستان کا 40 ارب ڈالر کا نقصان ہو گیا ہے۔ ہماری معیشت تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ اے میری برادری یہ کذاب پر کرے! جب ہمارے اپنے حکمرانوں کا یہ حال ہے تو ہم یہ رپورٹ یہ کسی ادارے یا ملک کو سر میں درد ہوا ہے جو ہمارے معاشی معاملات درست کرنے سامنے آئے۔

صنعتی و تجارتی مرکز کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کی تازہ ترین صورت حال بھی اپنی [illegible] ہے۔ حوصلہ افزا کارکردگی پر مکمل تھم بھی ہے۔ اس پر مزید اضافے کی فی الحال ضرورت [illegible] ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے پاکستانیوں کی معاشی حالت کی جو تصویر پیش کی ہے، [illegible]

عالمی ادارہ خوراک نے پاکستان کے حوالے سے بتایا ہے کہ پاکستان میں خوراک کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور گزشتہ ایک سال سے دودھ، گھی، خوردنی تیل اور دالوں کی قیمتوں میں 100 فیصد اضافہ ہوا ہے جس کے سبب اشیاء خوردونوش کی مہنگائی کی شرح میں اس عرصے میں 30 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک کے مطابق 2009ء سے 2010ء کے دوران چینی کی قیمت 30 روپے فی کلو سے بڑھ کر 70 روپے فی کلو ہو گئی جبکہ گھی اور کوکنگ آئل کی قیمتوں میں 100 روپے سے 500 گرام کے پیکٹ کی قیمت میں 50 روپے اضافہ ہوا ہے جبکہ دالیں 25 روپے سے 35 روپے فی کلو تک کھلے بازار میں فروخت ہو رہا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک سے موصولہ رپورٹ میں قیمتوں میں حالیہ ہفتوں کے دوران 50 فیصد سے زائد اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے لوگوں کی قوت خرید 80 فیصد تک کم ہو گئی ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے مزید کہا ہے کہ ملک کی آبادی کے 62 فیصد عوام غریب ہو گئے ہیں اس تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت عام آدمی صرف کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دریں اثنا وفاقی سٹورز میں چینی سمیت دیگر اشیاء کی قیمتوں میں پانچ سے دس فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ تازہ ادارہ شماریات کے اعلان کے مطابق عام مارکیٹ میں بھی چینی کی قیمت میں 5 روپے کلو کا اضافہ ہو گیا ہے۔

یوٹیلٹی سٹورز پر ملنے والی اشیاء پر جیسی تیسی رعایت یا زر تلافی (وغیرہ وغیرہ) تھے۔ وہ تو حکومت بجٹ میں ختم کر دیئے گئے ہیں، اب ان میں اور عام دکانوں میں کوئی بھی فرق باقی نہیں رہا اور ایک تہائی سے یہ سٹورز کسی سہولت کی فراہمی کی بجائے آٹا چینی جیسی بنیادی خوردنیات کے لئے بھی پبلک کو پریشان کرنے اور تکلیف دینے کے مراکز بن کر رہ گئے ہیں۔ ان سٹورز سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا ان کے حوالے سے اب کسی بھی سرکاری موقف میں کوئی جان یا وزن نہیں ہے۔ واضح رہے کہ گیلپ سروے نے بھی سامنے لایا ہے کہ روز افزوں مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے 51 فیصد پاکستانیوں نے اپنے اخراجات میں کمی کر دی ہے۔ دونوں رپورٹوں

سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے دعووں کے برعکس قوم کا کم از کم اوسطاً پچاس فیصد سے بھی زائد حصہ اوسط درجے کی زندگی سے بھی نیچے جا چکا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی اطلاع ہے کہ لوگوں نے بینکوں سے قرض لینا چھوڑ دیا ہے۔ زیادہ شرح سود کے باعث 3 ماہ میں کمرشل بینکوں سے قرض لینے والوں کی تعداد 7 10 فیصد کم ہو گئی۔ اسٹیٹ بنک نے بھی کہا ہے کہ امن وامان کی خراب صورت حال اور بڑھتا ہوا کریڈٹ رسک بینکاری نظام کے لئے چیلنج ہے۔ اب اس مسئلے سے کس طرح نمٹا جائے گا۔ یا اسٹیٹ بینک حکام ہی قوم کو بہتر بتا سکتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے جنرل سیز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے نتائج بھی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق مارکیٹوں میں (حسب روایت) ضروری اشیاء کی قلت پیدا کر دی گئی ہے۔ (یہ بھی حسب روایت اور بالکل معمول کے مطابق ہے) اور قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں ہے، سوائے قیمتوں میں اضافے کے۔ بتایا گیا ہے کہ ذخیرہ اندوزوں نے نئے ریٹ کے سبب مارکیٹوں میں مال دینا بند کر دیا ہے۔ دکاندار من مانے دام وصول کرنے لگے ہیں۔ چائے کی پتی، گھی، چینی، مشروبات، صابن، پرفیوم اور ادویہ سمیت کئی اشیاء کی قلت پیدا ہوئی ہے (یا پیدا کر دی گئی ہے) مزید بتایا جا رہا ہے کہ کھانے پینے کی پیک کردہ اشیاء کی قلت سے سبب شہری کھلی ہوئی اشیاء خورد و نوش خریدنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

حکومت نے جو یہ کہا تھا کہ جنرل سیز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے حوالے سے ہی نہیں، بلکہ اس میں بھی کسی شے کی قیمت میں اضافے کے حوالے سے قوم کا بہت پرانا تجربہ ہے کہ کوئی بھی شے [illegible] میں کئی گنا بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مگر درمیان میں کئی "مستحقین" بھی دامن [illegible] ہوتے ہیں۔ پیداوار سے مشتری یعنی صارف تک پہنچنے تک اس شے کی قیمت کچھ سے [illegible] پچاس سو فیصد تک بڑھ جاتی ہے۔ حالیہ اقتصادیات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ صرف اس [illegible] حکومت اپنے سے زیادہ رقم جمع کرے گی۔ لوگوں کو رفتہ رفتہ معلوم ہو گا

کی نیا بجٹ دراصل کتنا بھاری ہے۔ ابھی [illegible] ہے کہ ابھی [illegible] نہیں ہوا کیونکہ [illegible] کی اکثریت سے تائید ہو جائے گا اور [illegible] کہ [illegible] اس سے [illegible] 20 فیصد سے 30 فیصد بڑھ جائے گی اور [illegible] [illegible] [illegible]

ٹرانزٹ ٹریڈ اور بھارتی راہداری

18 جولائی کی شام جب ہیری کمنز چک لالہ ایئر پورٹ پر لینڈ کر رہی تھیں تو ان کے استقبال کے لئے گئی تھی میں نثار وزیر تجارت انوار الحق نمایاں تھے جنہوں نے ہیلری کلنٹن کو چک لالہ پر اترتے ہی یہ خوشخبری سنا دی کہ ان کے تجارتی مذاکرات کامیاب رہے ہیں جس کے بعد یہ قریب بریف دستخط منعقد ہوئی تو تالیاں بجانے والوں میں صدر زرداری، ہالبروک اور ہیری کلنٹن بھی شامل تھے۔ یہ بات شاید قارئین کے لئے باعث حیرت ہو کہ مارچ میں امریکہ میں ہونے والے سہ فریقی مذاکرات (جن میں اپنے مخدوم شاہ محمود قریشی صاحب ہیلری کلنٹن کا بھرپور خاصی گرمجوشی سے ہوتے رہے تھے) میں دیگر مسائل کے علاوہ جو اہم ترین مسئلہ زیر بحث آیا وہ بھارت کو پاکستان سے افغانستان تک راہداری دینے کا تھا اور امریکی وائسراؤں نے پاکستانی حکام سے بھرپور مطالبہ کیا تھا کہ جلد ہی اس منفعے کا خاتمہ کیا جائے جس پر اب تک عمل ہوتا رہا ہے۔ واقفان میں مخدوم امین فہیم (وزیر اعظم فیم) نے اچانک پاکستانیوں کو یہ کہہ کر حیرت زدہ کر دیا تھا کہ افغانستان کو ممکن تجارتی سہولت بہم پہنچانے کا عزم کر رکھا تھا اس لئے وہ بھارت کو افغانستان تک راہداری دینے کو تیار ہیں۔ زمینی راستے کے ذریعے افغانستانی ٹرک میوہ

جات اور مشروبات لے کر واہگہ تک جایا کریں گے اور افغانی راستے کے ذریعے بھارتی ہیوی سامان بردار ہوائی جہاز پاکستانی ہوائی اڈوں کا سامان لے کر کابل آیا کریں گے۔ امریکہ بھی خوش۔ عوام بھی راضی کہ چلو بھارت کو تو اپنے ٹرک بذریعہ واہگہ کابل لے جانے کی اجازت نہیں دی ہاں۔

مخدوم امین فہیم کبھی کبھی بڑی سادگی سے ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو اگر "فیشن" بن جائے۔ ملاحظہ فرمائیں موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے جواب میں افغانستان سے راستے سنٹرل ایشیا تک رسائی کا پروانہ حاصل کر لیا ہے شاید انہیں یاد نہیں (بادشاہ آدمی ہیں)۔ 2001ء میں افغانستان، پاکستان، قازکستان اور چین کے درمیان یہ معاہدہ پہلے سے موجود ہے لیکن ایسا بھی ٹرک آج تک افغانستان کے راستے سنٹرل ایشیا اس لئے نہیں پہنچ سکا کہ کابل سرکار کی عملداری صدارتی محل کے دس پندرہ کلومیٹر آگے پیچھے تک ہی محدود ہے اس کے لئے نہ تو محفوظ راستہ ہے اور نہ سڑکیں۔ اگر طالبان سے معافی بھی مل جائے تو وادی پنج شیر پر بیٹھے شمالی اتحاد کے احمد مسعود گروپ والے بھارت نواز ایک ٹرک تو کیا ایک پاکستان بار بردار گدھا بھی وہاں سے گزرنے نہیں دیں گے۔ اس لئے مخدوم امین فہیم کی یہ "کامیابی" تو مشکوک ہی رہے گی۔ البتہ ان کی مہربانی سے بھارت کا دیرینہ خواب پورا ہو گیا اسے افغانستان کے راستے بندر عباس تک رسائی میسر آ گئی۔ جبکہ پہلے ہی ممبئی اور چنائی سے بحری جہازوں کے قافلے ایرانی بندرگاہ چاہ بہار کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جس کے ذریعے بھارتیوں کو شمالی افغانستان تک رسائی میسر رہتی ہے۔

پیپلز پارٹی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود کو ہمیشہ "عقل کل" سمجھتے ہیں اور اپنے ہر اقدام کو "عوامی مینڈیٹ" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر جناب بابر اعوان سی ون تھرٹی پر چڑھ کر سارے پاکستان کی بار کونسلوں کو نقد عطیات سے نوازنے لگیں تو وہ بھی جمہوریت اور بمطابق آئین پاکستان ہے۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود سوئس عدالت کو خط نہ لکھنا بھی آئین کے عین مطابق، غیرہ

...ہ کی طرح امید ہے۔ بھارت کو پاکستانی فضاؤں سے ...ے کا مل تک پہنچنا ...
...وامی سینڈیکیٹ سے منسوب ہو چکے ہیں کیونکہ عوام بھارت سے ...چھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔
...ارت کرے جیسے تعلقات چاہتا ہے اس پر چند روز پہلے بھارتی وفد کی نشست برخاست ...
مثال کافی ہے جس پر وزیر خارجہ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف چہل قدمی کرنے یا ہوا خوری ...
...نے بھارت نہیں جا رہے کیونکہ بھارتی مذاکرات کو سیریس نہیں لے رہے۔

...ر موتی (کراچی کے معروف تاجر اور اس مذاکراتی ٹیم کے رکن ہیں جو افغان ٹرانزٹ ٹریڈ ...
مذاکرات میں حصہ لے رہی تھی ان کا کہنا کہ ان کے ساتھیوں نے وزیر تجارت مخدوم امین فہیم کو ...
بھارتی رویہ کے ...ے سے اپنے خدشات اور اس معاشی تباہی سے مکمل آگاہی دے دی تھی ...
جس سے پاکستان دوچار ہو گا لیکن ان کی باتوں کو بڑے غور سے سننے کے بعد بھی مخدوم صاحب ...
نے اچانک ہوسر پرائز دیا ہے وہ واقعی حیران اور پریشان کن ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ ایران ...
نے ایک بین الاقوامی پرواز کو جو دبئی جا رہی تھی بزور ایران میں اتار کر اپنے ایک مطلوب ملزم ...
...یں ریگی کو گرفتار کرتے اسے پھانسی چڑھا دیا ہے۔ بھارتی نیوی نے پاکستان آنے والے ایک ...
بھارتی جہاز کو بین الاقوامی سمندروں میں روک کر قبضے میں کر لیا تھا اور یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ پاکستانی ...
...ب ہے ...ے جا رہا تھا۔ کیا مخدوم صاحب کی ''عوامی حکومت'' اس اہل ہے کہ دہلی سے ...
بھارتی ہوائی جہازوں میں واپس ہونے والے تباہ کن اسلحے سے بھرے کسی بھی ہوائی جہاز کو پاکستان ...
...یر تلاشی لے سکے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے حکومتی بڑھکیں ایک طرف۔ سوال یہ ...
...ہے ...ے ...ی خوشنودی میں ہم کہاں تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کیا یہ ملک برائے ...
...ے ...ں فانی چند جیسے چند ہے اور جب چاہے اس کے اداروں اور سلامتی کو کوزیوں ...
...ے ...

...ے فرخندہ و چہ ارزاں فرخندہ

...ہتی بیانات ایک طرف اور حقائق ایک طرف ...یں ...ہ ...ہے ...
...رداری اپنے تاج و تخت کی ...ے ...ے امر ...یں ...ہے ...
...ہ ...ے راستے کا مل تک رسائی دیں گے اب ...ں ...ہ ...
افغان ٹرانزٹ معاہدے کی گونج ابھی فضاؤں میں تھی ...
...ے ...یں ان کے دورے سے پہلے ...ہ ...ہ پاکستان میں ...
...ہری مخدوم صاحب نے پاکستان کے لئے جن مقصدوں کا ...ہے ...
...ے کے مترادف ہیں۔ اپنی روایتی بلیک میلنگ پالیسی کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ...
...ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر پاکستان میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ ...ں سے ...
...ہ بھی ہے۔ ظاہر ہے اس نوعیت کی باتیں جن کی کوئی تک نہیں بنتی پریشان کن ...
...یں ہیں۔ لیکن تا ...ے۔

افغان ٹرانزٹ معاہدہ اور ہیلری مخدوم کا تازہ دورہ ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ ...
اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے جس حد تک بھی چلیں جائیں امریکن ہم سے خوش نہیں ...
ہوں گے وہ ہر مرتبہ ایک نیا بہانا تلاش کر ہم پر پریشر بڑھائیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ...
رہے گا جب تک کہ امریکہ افغانستان میں انڈیا کو اپنا تزویراتی مقام نہ بنا دے جب امریکہ اس ...
مقصد کے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو وہ حسب روایت اپنا گھوڑا بھی تبدیل کر لے گا۔

(اگست 2010ء)

معاشی گورکھ دھندہ

آج چند نکتے آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ پہلے ایک نیم معاشی معمہ ملاحظہ ہو۔ اس کے راوی ہماری برادری کے ایک محترم متوازن، معتدل اور سنجیدہ لکھنے والے ہیں جو ایک ایک لفظ تول کر استعمال کرتے ہیں اور تہذیب کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایک طرف بابائے اردو سے لے کر مقتدر قومی زبان تک نے اس کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے کہ اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا جائے کیونکہ اس میں جدید طریقوں کی ادائیگی کے ذرائع موجود ہیں۔ یہ خواہش صدر ایوب کے زمانے میں بھی کی جا چکی ہے، جو بعد میں تعصب کی بنا پر خارج کر دی گئی۔ ریاست بھوپال، حیدرآباد اور بعض دوسری ریاستوں میں یہ ہائیکورٹ تک استعمال ہوتی تھی۔ بھوپال ہائی کورٹ کا یہ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک مقدمے میں قائداعظم وکیل تھے، فریق ثانی سے وکیل انگریز تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ ریاست کی عدالتی زبان اردو ہے اور قائد کو انگریزی آتی ہے لہٰذا انہوں نے مقدمے میں پہلا سوال انگریزی میں ہی کیا کہ "آر یو ویل بیرسٹر کس ان دس ہائی کورٹ" قائد نے بڑا مختصر جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا۔ "It depends upon the ..." (تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار اردو، مقتدر قومی زبان

جنوری 08ء) دوسری طرف خواجہ الطاف حسین حالی سے کہ اسے سب سے بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ اردو درخواست گزاروں، فریادیوں، معافی کے خواستگاروں، مراعات کے طلبگاروں، شعلی خادموں اور تابعدار غلام خواروں کی زبان ہے" (ص) ہے۔ اس مقصد کے لئے درخواستوں، اپیلوں، معافیوں، التجاؤں، گزارشوں سے لے کر اپیل تا تذکرہ اول) موصوف نے مطابق "اردو زبان میں حضور فیض گنجور بھیجنے یا الفاظ کی بھ ہے" وہ اخلاقی نوٹ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ وہ موصوف میری ہی ہمدرد ہیں اور ایسے ہمدردانہ مشورے حاصل رہا ہے۔ پھر بھی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے ایک چھوٹا سوال پوچھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ہی بھٹو شہید کی پہلی کابینہ کے پہلے وفاقی بجٹ کی تقریر معین مولوی اور مقدمہ شعر و نے اردو میں تخلیق نو کی بنیاد رکھی، کو کس خانے میں رکھا جائے؟

میرا پچھلا کالم جو وفاقی اور صوبائی بجٹوں پر مشتمل تھا اس پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک صوبے کا بجٹ متوازن رہا اور تین صوبوں میں خسارہ بہت خوبیوں میں رہا ہے۔ وفاقی خسارہ فارمولے کی بناء پر ان کو پہلے کے مقابلے میں وفاق سے دو چند سے زائد فنڈ ملیں گے۔ کسی غیر معمولی پروجیکٹ کا بھی ذکر نہیں پھر بھاری خسارہ کیوں؟ اور یہ کس طرح پورا ہوگا۔ وفاق سے تو کچھ ملنے کی امید نہیں، سندھ کو تھر پارکر کے کوئلے کے لئے، خیبر پختونخوا کو ہائیڈل کے لئے پنجاب کو صنعتی ترقی کے لئے بعض بین الاقوامی اداروں سے کچھ قرض ملنے کی امید ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ کن شرائط پر ملے گا اور کیا صوبے مجوزہ شرائط پوری کر سکیں گے۔

ایک اور نکتہ سامنے آیا کہ ڈگری دھلی ہو یا دھلی ڈگری ہی رہتی ہے۔ ایک جناب نے ڈگری والے اور اکیس میں کھلبلی مچ گئی ہے دوسری طرف بھی ڈگریاں بانٹنے والوں کے ہاں گھی کی چراغ جل رہے ہیں ان کے ہاں ڈگری تو خالص ہے مگر گھی خالص ہے۔ غالب صاحب کے دل بانچھوں موگئے اب ان کو موٹی موٹی کتابوں میں سر کھپانے اور راتوں کو جاگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہیں

کاؤنٹر پر اسی طرح مقررہ قیمت سے کراچی، لاہور، پشاور یا کوئٹہ کا ٹکٹ خریدا جا سکتا ہے اسی طرح مقررہ
میں دے کر بی ایچ ای کی ڈگری بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ڈگری فروشوں
میں مسابقت شروع ہو جائے گی۔ ان کی طرف سے ایسی ترغیبات کی اطلاعات ملیں گی کہ ہر
رابطہ پر تو یقیناً فیصد ڈگریوں سے 70 فیصد امیدوار بازی
مارش نے اسی مفروضات بھی غلط ہو گئے۔

ایک باپ نے بیٹے کو کالج سے غیر حاضر رہنے پر ٹوکا اور پوچھا تم کئی روز سے کالج نہیں جا
رہے، بیٹا کہتا ہے کہ ابو جان اب کالج جانے کی ضرورت نہیں، آپ 40 ہزار کا بندوبست کر دیں۔
میں بی اے سیکنڈ ڈویژن کی سند آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ سرکاری سطح پر جعلی ڈگریوں کا اثر
دوسرے بھی کاروبار پر بھی پڑے گا۔ امراض قلب کے لئے چونے کی ٹکیاں، اصلی گھی کی بجائے نقلی
گھی، دودھ میں پانی کی ملاوٹ کے بجائے پانی میں دودھ کی ملاوٹ ہوا کرے گی اور جب کوئی
ورک انسپکٹر چیکنگ کے لئے آئے گا کہ ٹکیہ، گھی اور دودھ میں ملاوٹ ہے اور یہ جعلی اشیاء ہیں تو
جواب ملے گا اصلی سچی مگر چیزیں تو موجود ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ اصلی یا مصنوعی اور
جعلی۔ اور یہ اظہر کئی مرتبہ اشارہ دے چکے ہیں کہ وہ اپنی کابینہ میں کمی کرنے والے ہیں پہلے یہ
اطلاع تھی کہ ساتویں وزارت کے بعد تخفیف ہو گی، پھر یہ اطلاع آئی کہ بجٹ سے پہلے یا اس
کے بعد ہی ہو گی، یہ دونوں ادوار بھی گزر گئے، کمی کے بجائے تین مزید مشیروں کا اضافہ کر لیا گیا، وہ
ان کا مقصد ہے، جو وزیر مقصد وہ کابینہ میں تخفیف سے روک رہا ہے۔

وہ اس بھی باقاعدہ سرکاری ملازم تو نہیں مگر ان کو جو بھاری مشاہرے اور مراعات ملتی ہیں وہ
ان سے کہ وہ متعلقہ اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کیا کریں گے اور ان کو دوران
اجلاس موبائل فونوں سے کھیلنے یا میں بیٹھنے یا باہر میں جھپکی لینے کی عام اجازت ہو گی۔ غیر
ان کی ہدایت پر ریلوے کے وزیر نے اس کی توجیہ یوں فرمائی کہ طویل اجلاسوں میں عدم

ہو گی کی وجہ یہ ہے کہ ایک اجلاس سے دوسرے اجلاس تک وزراء کو [illegible]
سے وہ اجلاسوں میں شرکت نہیں کر سکتے۔ اجلاس کے دوران وزراء سے [illegible]
ہیں۔ مجھ سے پاس اراکین سے ملاقاتوں کے [illegible]
ہیں مگر اب ان کو ایک الاؤنس سے قریب معاوضہ ملتا ہے اس سے وہ مختلف مراعات کی [illegible]
بھی ختم ہی ہے ان کو اسلام آباد میں سرکاری رہائش مہیا کی جاتی ہے جس کا ماہانہ
ہیں کرایہ ایک خاص حد تک بجلی اور ٹیلیفون کے بل میں [illegible]
ہے ذاتی یا سرکاری مقررہ حد تک پٹرول کی فراہمی، چپڑاسی [illegible]
ان کے لئے سفری واوچرز، دفتر اور گھر کی دیکھ بھال سے متعلق [illegible]
ان کا الاؤنس الگ ملتا ہے پھر بھی زیر باری کا معمہ سمجھ میں نہیں آتا۔

حکومت کے تازہ اعلان کے مطابق ایک روپے سے کم قیمت والے تمام سکے بازار سے
لے لئے جائیں گے گویہ اعلان اب ہوا مگر عملی طور پر ڈھائی تین سال سے چھوٹے سکے بازار سے
غائب ہیں۔ یہ صرف پٹرول کی مصنوعات یا سگریٹ کی قیمتوں میں نظر آتے ہیں اس میں صارف
ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے اور پمپ والے یا دکاندار فائدے میں رہتے ہیں مثلاً اس وقت مثلاً
جس ایک لیٹر کی قیمت 65.38 روپے ہے، دکان دار تو 38 پیسے چھوڑنے سے رہا، خریداری
62 پیسے زائد دینا ہوں گے کیوں نہ ان کی قیمتوں کو مکمل روپے میں تبدیل کر دیا جائے۔ سگریٹ
کی مختلف اقسام کے درمیان بھی ردوبدل کا امکان ہے تاکہ صارف کو زیر باری سے بچایا جا سکے
اس معمہ کو حل کرنا ضروری ہے۔

(اگست 2010ء)

اقتصادیات کا جنازہ

مہنگائی اس وقت پوری دنیا کا مسئلہ ہے لیکن دنیا کے دیگر ممالک اپنی اقتصادی پالیسیاں اتنی غلط مرتب کرتے ہیں کہ مہنگائی کے اثرات عام صارف کو زیادہ متاثر نہ کر سکیں جبکہ پاکستان میں [illegible] صارف ہی متاثر ہو رہا ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کا ریکارڈ شاہد ہے کہ مجموعی ٹیکس ریونیو میں 60 فیصد بالواسطہ ٹیکس عام شہری ادا کرتا ہے جس میں کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس، فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی وفاقی جبکہ صوبائی سطح پر بھی حکومت کے ہر ٹیکس کا بوجھ عام شہری پر ہی پڑ رہا ہے۔ [illegible] تھوڑی 40 فیصد براہ راست ٹیکس بھی کارخانہ دار اور دکاندار اپنے خریداروں کو منتقل [illegible] ہے۔ [illegible] صارف تک میں کمر صرف غریب ہی کی ٹوٹ رہی ہے۔ دراصل مصر حاضرہ کو [illegible] سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی، معاشی اور صنعتی بحران سب اصطلاحیں اس قدر [illegible] ہیں کہ اب تو بھی معمول کی کارروائی سمجھی جانے لگی ہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، بجلی، گیس [illegible] میں اضافہ روزمرہ کی بات ہے ان عوامل کی وجہ چاہے جو کچھ بھی [illegible] میں بھی اضافہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ ڈیری مصنوعات، سبزیاں، [illegible] کی قیمتیں بڑھ جاتا بتایا جاتا ہے لیکن جب عالمی منڈی

میں تیل کی قیمتیں کم ہوتی ہیں تب اس شرح تناسب سے [illegible] کی قیمتوں میں کمی نہیں آتی۔ چینی کے نرخوں میں اضافہ معمول کی بات ہے جبکہ [illegible] کی صنعت کی پیداواری لاگت اور [illegible] پیداواری کمی بتائی جاتی ہے۔ دراصل مہنگائی کا عذاب [illegible] اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اور عوام آسمانی، وبائی اور [illegible] مصنوعی ہیں [illegible] طبقہ اشرافیہ ہر طرح کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ [illegible] کانپ اٹھتی ہے۔ وطن عزیز میں بسنے والوں کو کبھی [illegible] لیکن اب پاکستان صرف دو طبقوں [illegible] غریب، مڈل کلاس طبقہ ہوتی تھی لوئر مڈل کلاس سے [illegible] وقت کی رو نے کے چکر میں ہے۔ عوام کی قوت خرید اس قدر [illegible] لیکن خریداری کے لئے نہیں بلکہ ونڈو شاپنگ کیلئے۔ پرزوں اور اشیاء صرف کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے عوام سے بازار یا مارکیٹ کا رخ کرنے کی سہولت چھین لی ہے۔ وطن عزیز اپنے قیام سے لے کر آج تک دنیا میں رائج تین معاشی نظام مختلف ادوار میں مختلف حیثیتوں سے دیکھ چکا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خدوخال کو ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلسٹ نکھار کے ساتھ تبدیل کرنے کی کوشش کی اور بہت سارے ادارے حکومتی عمل داری میں آ گئے جس کے نتیجے میں مارکیٹ کا کنٹرول بھی سرکار کے ہاتھ آ گیا۔ کمیونزم ازم اور سوشلسٹ نکھار کے ساتھ ہمارے [illegible] ایکانومی بھی چلتی رہی لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہم [illegible] تجربات کی نذر ہوتے رہے ہم نے ایک وقت میں اداروں کو قومی تحویل میں لیا تو دوسرے مرحلے میں مزید اداروں کو حکومتی کنٹرول میں لینے کی بجائے انہیں کھلی بولی کے ذریعے نیلام کیا۔ ہم نے گھی کارپوریشن آف پاکستان بنا کر خوردنی تیل اور گھی کی صنعت سرکاری کنٹرول میں لے لی تو دوسری جانب گھی کے کارخانوں کو اتنا آزاد چھوڑا کہ چند سرمایہ دار ایک بزنس نیٹ ورک بنا کر گھی مہنگا اور [illegible]

تھے اور حکومت کا نرخوں سے متعلق ادارہ قیاس آرائی ہی بنا رہا۔ اسی طرح سرمایہ دار اپنی مرضی سے
معصومات کے نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ ذوالفقار بھٹو نے چینی کے نرخوں میں برائے نام اضافے کو
بیاد بنا کر فیلڈ مارشل ایوب خان کے خلاف پوری قوم کو اکٹھا کر لیا اور اقتدار سنبھالتے ہی شوگر مز
کان کو بیل دالی لیکن آن پارلیمنٹ کے اندر بیٹھے ہوئے چند شوگر مز مالکان غریب اور متوسط طبقے
کو معاشی طور پر بری طرح متاثر کر رہے ہیں حکومتی مشینری ان کو کسی قاعدے قانون کا پابند بنانے
میں بری طرح ناکام ہو رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مہنگائی ایک عالمگیر مسئلہ ہے
پٹرولیم مصنوعات، خوردنی تیل کی قیمتیں اور کرنسی کے ریٹ عالمی منڈی میں طے ہوتے ہیں۔
حکومت صرف ان اشیاء کی طلب اور رسد میں توازن ممکن بنا کر مارکیٹ میں بروقت اور عالمی
منڈی کے نرخوں کے ساتھ مطابقت قائم رکھے ہوئے فراہمی کی ذمہ دار ہے، تاہم مقامی پیداوار کی
رسد اور فراہمی کے ساتھ ان کے نرخوں پر کنٹرول انتظامیہ ہی کا کام ہے جو وفاقی، صوبائی اور ضلعی
سطح پر ایگزیکٹو سیٹ اپ میں طے شدہ طریقہ کار کے تحت ہی سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ سابق وفاقی
وزیر خزانہ شوکت ترین کرپشن کو ہی معیشت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دے چکے ہیں ملک
میں کرپشن کا حجم 103 کھرب روپے تک پہنچ چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کا پورا انتظامی سیٹ اپ
ہی مہنگائی کے جن کو قابو کرنے میں ناکام رہا ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات اس امر کی تصدیق کر
رہا ہے کہ ہفتہ وار مہنگائی کی شرح میں 18.82 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ سرکاری رپورٹ کے
مطابق 21 اشیاء کی قیمتیں بڑھی ہیں جن سے 7 ماہ کے دوران 163 ارب روپے سیلز ٹیکس ادا
کرنے والے صارفین متاثر ہوئے ہیں مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا
شکار ہے۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا شور 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی
صورتحال سے جڑا ہوا ہے۔ یہاں سے اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی
جاتی ہیں اور جائیداد کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شرح میں ہونے والا اضافہ بھی معیشت کو کھوکھلا کر رہا ہے
کاروباری خاندانوں کی تجوریاں بھر رہا ہے لاکھوں افغان مہاجرین کی آمد اور پاکستان خصوصاً پشاور
پشاور میں تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ہمارے صنعت کاروں اور پیداوار کو
ن گئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود ہی کارخانہ اور روزگار عوام سے خون چوسنے والی مافیا سے بچ
ہونے والا ٹیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے بچنے کی صورت میں عوام پر منتقل ہو رہا ہے۔ جس مہنگائی
میں مہنگائی کے ساتھ یوٹیلٹی بلوں نے غریب اور متوسط طبقے کی مت مار کر رکھ دی ہے۔ جن ممالک
کو قرض دینے والے ممالک اور اداروں نے بجلی گیس اور دیگر یوٹیلٹی بلوں میں عوام کو سبسڈی دینے
کسی اور صورت ریلیف دینے کی مخالفت کر رہے ہیں اور نرخوں میں مزید اضافے کا مطالبہ کر رہے
ہیں۔ سٹیٹ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کا ہر فرد اوسطاً 24 ہزار 412 روپے
کا مقروض ہے جو بھارت کے مقابلے میں 75 فیصد زائد ہے۔ بینک کے اعداد و شمار کے مطابق
اس وقت مجموعی غیر ملکی قرضوں کی مالیت 50 ارب ڈالر ہے جبکہ آبادی 17 کروڑ ہے۔ اس کے
مقابلے میں بھارت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی قرضوں کی مالیت 222 ارب ڈالر جبکہ
آبادی تقریباً ایک ارب 25 کروڑ ہے۔ اس طرح بھارت کا ہر شہری اپنی آبادی کے اعتبار سے 8
ہزار 880 روپے کا مقروض ہے جو پاکستان کے مقابلے میں 75 فیصد کم ہے۔ دوسری جانب آئی ایم
ف نے پاکستان کو شرح سود میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ملک میں مہنگائی کا
طوفان مزید بڑھنے والا ہے۔ آنے والے دنوں میں تیل کی قیمتیں بڑھنے پر پاکستان کی معیشت
میں جب کا رجحان مزید بڑھ جائے گا۔ بیرونی قرضوں سے عوام کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں۔
نیرمی پراجیکٹس اور دیگر منصوبے ابتداء ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ پروجیکٹس کے سربراہ کیسے
سفارشوں کی بنیاد پر نااہل افراد کا تقرر کیا جاتا ہے جو پراجیکٹ کو عوام کے مفاد میں چلانے اور جس
مقصد کے لئے یہ پراجیکٹ قائم کیا گیا ہے اس کے ثمرات سے عوام کو مستفید کرنے کی بجائے نئے

ماڈل کی گاڑیوں کی خریداری، دفاتر میں غیر ضروری تزئین و آرائش اور فی اے ڈی اے پر سالانہ رقوم خرچ کر دیتا ہے جس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے اور اس طرح عوام ایک ایسے قرضے کے دیتے چلے جا رہے ہیں جو ان پر سرے سے خرچ ہی نہیں ہوا۔ ماہرین اقتصادیات کا متفق ہے کہ حالت جنگ ہو یا امن گھی، آٹے، چاول، دال، چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا لوگ زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کرتے ہیں پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے اگر چند غیر ضروری اشیاء کے استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف ایک بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران 19 ارب روپے کے قرضے معاف کیے ہیں۔ قرضے معاف کرانے والوں میں وہ ادارے بھی شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں اس لوٹ مار میں سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے جس کے لئے زندگی کی گاڑی کو رواں رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول کرنا ڈسٹرکٹ سطح کی مینجمنٹ کا کام ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا اختیارات دے رکھے تھے جن میں ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو مستحکم رکھنے کے ساتھ اشیاء ضروریہ کی طلب اور رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا تھا لیکن سابق صدر پرویز مشرف کے متعارف کروائے گئے ضلعی نظام حکومت میں ضلعی اختیارات ناظمین کو سونپے گئے اور ڈسٹرکٹ مینجمنٹ کا ذمہ دار افسر منتخب ناظم کے زیر سایہ کام کرنے لگا اس دوران مارکیٹ چیک اینڈ بیلنس سے آزاد ہو گئی تاہم اس نظام کے خاتمے کے باوجود مہنگائی کا جن قابو میں نہیں آ رہا۔ تمام تر حکومتی دعوؤں اور اقدامات کے باوجود گزشتہ دو برسوں کے دوران اشیائے خورد و نوش سمیت یوٹیلیٹی بلز کی قیمتوں میں 100 سے 120 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق افراط زر کی شرح میں اضافے کی وجہ سے اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے رواں مالی سال کے پانچویں مانیٹری پالیسی میں شرح سود کی برقرار رکھنے سے انکار کرتے ہوئے اس ماہ کے آخر تک برقرار رکھنے کا اعلان کیا

ہے۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق تمام اشیائے خورد و نوش، بجلی کی قیمتوں، ڈیزل اور پٹرول کی دیگر اشیاء کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ مالی سال 2008-09 کے دوران صرف ڈیزل کے نرخوں میں تقریباً 100 فیصد اضافہ ہوا، ڈیزل 37.9 روپے فی لٹر سے بڑھ کر 73.62 روپے اور پٹرول 53.8 روپے فی لٹر سے 84.69 روپے ہو گیا ہے۔ مارکیٹ میں ڈیزل سے متعلق پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے ٹرانسپورٹ کی لاگت بڑھ گئی ہے اور ٹرانسپورٹ کی شرح میں اضافہ اسی کی بنیاد پر تمام مقامی سطح پر تیار ہونے والی اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ بجلی کی قیمتوں میں دو سال کے دوران اوسطاً 120 فیصد اضافہ ریکارڈ ہوا ہے اور گھریلو فی یونٹ 7 روپے سے بڑھ کر جبکہ کمرشل یونٹ 19 روپے تک پہنچ گیا ہے۔ جولائی 2008ء میں 3 روپے اور 9 روپے تھا۔ سوئی گیس فی یونٹ 115.4 روپے سے بڑھ کر 286.3 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو، ایل پی جی کا 11.8 کلو گرام سلنڈر 792 روپے سے بڑھ کر 1061 روپے، گندم 17 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر 27 روپے فی کلوگرام، آٹا 18 روپے سے بڑھ کر 36 روپے فی کلوگرام، باسمتی چاول 25 روپے سے بڑھ کر 54 روپے فی کلوگرام، بڑا گوشت 100 روپے سے بڑھ کر 200 روپے فی کلوگرام، چھوٹا گوشت 250 روپے سے 380 روپے فی کلوگرام، مرغی کا گوشت 125 سے بڑھ کر 150 روپے فی کلوگرام، انڈے 37 روپے سے بڑھ کر 60 روپے فی درجن، چینی 30 سے بڑھ کر 65 روپے فی کلوگرام، گڑ 31 روپے سے بڑھ کر 73 روپے فی کلوگرام، تازہ دودھ 30 روپے سے بڑھ کر 50 روپے فی لٹر، کوکنگ آئل کی قیمتوں میں 31 روپے فی لٹر اور گھی کی قیمت میں 30 روپے فی کلوگرام، اضافہ ہوا ہے۔ چائے کی پتی 276 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر 516 روپے فی کلوگرام، آلو 10 روپے سے بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، پیاز 12 روپے سے بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، ادرک 43 روپے سے بڑھ کر 180 روپے فی کلوگرام، دال ماش ثابت 50 روپے سے 160 روپے فی کلوگرام، دال ماش دھلی ہوئی 71 روپے سے 134 روپے

فی کلو گرام ... مال 42 روپے سے 85 روپے فی کلو گرام ... 52 روپے سے
... فی کلو گرام ... 137 روپے سے 165 روپے فی کلو گرام ہو گئی ہے۔ اور
57 روپے فی کلو ... ہو گئی ہے۔ اس
... میں مہنگائی 30 تا 60 فیصد اضافہ ہوا ہے جنہیں سرکاری ملازمین
... نہیں بڑھایا گیا۔ صابن، شیمپو اور روزمرہ استعمال کی تمام چیزوں کی قیمتوں میں 50 فیصد سے
... اضافہ ہوا ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق سبزیوں کو ملیوا ایڈیٹیس میں تبدیل کرنے کے بعد
... روزمرہ استعمال کی اشیاء میں مزید اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ ملاوٹ کا عالم یہ ہے کہ ... دودھ
میں پانی صاف ستھرا چھان کر دیا جاتا ہے لیکن آج کل پانی کے ساتھ انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے
ہیں ... گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانوں میں ڈاکٹرز کی
... ہوتی ہیں جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ انتہائی لاغر اور بیمار جانور روزانہ ذبح کر کے
... ہو جاتی ہیں۔ چکن ... عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں سبزیوں کے نرخ ہر ... کے
... ہے۔ ... کریسی کا اب تک یہ کہنا تھا کہ پورا انتظام منتخب لوگوں کے
ہاتھ میں ہے ... ہاتھ میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نیا ایڈمنسٹریٹر
... منتخب لوگوں کی طرح مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے
... ہے ... تحقیقات کا حکم ہے کہ کسی منتخب بندے کے لئے امن و امان قائم
... نہیں ہوتا ہے لیکن اب ... اور
... ہے۔ تاہم اس کے لئے ضروری ہو گا کہ ان
... 6 ... پر مشتمل خاندان کے لئے ماہانہ گراز
... 8 ہزار سے 10
... 1500 روپے ... 500 روپے پانی کا بل 125
... ہزار روپے ماہانہ فی بچہ کا ... اور دیگر روزمرہ

... اخراجات ملا کر مجموعی طور پر ... 15 ہزار روپے سے کم نہیں ہوتا ہے۔ ... اخراجات میں ہنگامی حالات ... شادی بیاہ ... شامل نہیں ہوتے ... اخراجات شامل نہیں ہوتے ... رمضان المبارک ... عید الفطر ... اخراجات شامل نہیں ہوتے ... چار ... سے ... اخراجات شامل ہوتے ہیں۔
... 17 ... ایک ملازم جس کی ... بھی ... ہو ... بمشکل پورا ہو سکتا ہے جبکہ ایک ... ہو ... اخراجات سے ... ہوتے ہیں۔ ... اوقات میں رکشہ اور ٹیکسی چلاتے ہیں۔ ... اداروں میں ملازمت کرتے ہیں اور ... گھر کا چولہا جلانے کے لئے ایڈیشنل ٹیوشنز پڑھاتے ہیں جبکہ ... میں ... ہوتی ہیں ... قلموں سے بھی بہت کم ہیں جبکہ ایسے ادارے بھی ہیں جن سے تعلق رکھنے والے ملازمین ... ہیں کہ وہ اپنے ملازمین کو تنخواہیں نہیں دیتے اور تنخواہ سے مطالبے پر ... ملازمین کو ملازمتوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ جس کے ... ہیں۔ ... چوری، راہزنی اور قتل و غارت اس مالی بحران کے خاص اجزائے ترکیبی ہیں جبکہ معاشی ضروریات پوری کرنے کے لئے ... خواتین بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہیں۔ اشیاء صرف کے بعد پہننے ... جن میں جوتی سرِ فہرست ... شامل ہیں ضروریات زندگی میں شامل ہیں۔ اگر سردیوں اور گرمیوں میں صرف ایک ... کے تین سوٹ بنائے جائیں تو ایک خاندان میں 18 جوڑے کپڑوں کے بنتے ہیں جبکہ خواتین کے کپڑوں کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ان میں سے زیادہ استعمال ہونے والا کپڑا ... 450 روپے سے 500 روپے اور ... 700 روپے فی سوٹ ہے۔ یوں اوسطاً ایک خاندان میں 10 سے 15 سوٹ خواتین کے بنتے ہیں جن پر اوسطاً 9 ہزار سے 17 ہزار روپے ... خرچ آتا ہے اس طرح ... کم از کم 600 روپے فی سوٹ ... 800 ... روپے ... اینڈ ویئر 500 روپے اور ... 3 ہزار روپے میں ... ہے۔ ... ایک ... ہے۔

ماہانہ ساڑھے 28 سے 35 ہزار روپے کپڑوں کی مد میں خرچ کرتا ہے البتہ ان میں بچوں کے
سوٹ یونیفارم شامل نہیں۔ عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ اس لئے دیا
تھا کہ وہ شہید جمہوریت ذوالفقار علی بھٹو کے نعرے روٹی، کپڑا اور مکان کو عملی جامہ پہنائے گی تاہم
گزشتہ ڈھائی سال سے اس نعرے کے برعکس اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ
ان کی بی سال 11-2010 کے بجٹ سے کافی امیدیں وابستہ تھیں لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔ پیپلز
جماعت کے سامنے ویب زی کے انتظار میں بیٹھے مزدوروں کا کہنا تھا کہ انہیں 250 روپے سے
350 روپے بمشکل دیہاڑی پر کام ملتا ہے وہ بھی ہفتے میں تین یا چار دن ہی ہوتا ہے ایسے میں دو
وقت کی روٹی تک کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر دوپہر تک انہیں کہیں روزگار نہیں ملتا
تو وہ خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں ایسے میں دو وقت تو درکنار ایک وقت کی روٹی بھی نہیں
خریدی جا سکتی۔

(اگست 2010ء)

پاک افغان تجارتی معاہدہ

18 جولائی کو ہونے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کو دو ہفتے ہو گئے ہیں۔
معاہدے پر دستخط کی تقریب کے بعد سے اب تک خیبر پختونخوا اسمبلی تک ہر کسی نے
جس بھرپور انداز میں معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنے خدشات ریکارڈ پر لائے
اس سے یہ امکانات روشن ہو گئے ہیں کہ کابینہ یا پارلیمنٹ کے لئے اس معاہدے کی منظوری تقی
آسان نہیں رہی۔ پاکستان اور افغانستان کے مابین دوطرفہ تجارت میں افغانستان کے لئے پاک
افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا نیا معاہدہ اور بالخصوص بھارت کو یکطرفہ کی فراہمی واضح طور پر امریکی دباؤ کا
نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ معاہدے کے ذریعے میں پاکستان نے افغانستان کو اپنی مصنوعات بھارت
برآمد کرنے کے لئے واہگہ بارڈر تک جانے اور پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت
دی ہے۔ تاہم بھارت کو پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے
بدلے افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک راہداری فراہم کرے گا۔ معاہدے میں
بھارت کو واہگہ بارڈر پر افغانستان جانے والے سامان کو ان لوڈ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
جس سے افغان ٹرک بھارتی سامان افغانستان لے جا سکیں گے۔ معاشی ماہرین نے پاک افغان

ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ کو بھی مذاکرات کے صرف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس معاہدے سے
پاکستان کی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے۔ معاہدے کا مقصد بھارت کا مال
پہنچانا ہے اور معاہدہ امریکی دباؤ میں کیا گیا۔ معاہدے سے مختلف میں اضافہ ہوگا اور یہ معاہدہ
کسی بھی پہلو سے پاکستان کے حق میں نہیں۔ معاہدے سے پاکستان کی معیشت پر منفی اثرات
مرتب ہوں گے۔ حکومت نے یکطرفہ طور پر افغانستان کو بہت زیادہ رعایت دی ہے جس سے
بھارت براہ راست طور پر مستفید ہوگا۔ بھارت ہمیں نیچا اور تجارت تک راہداری دینے کے لئے تیار
نہیں۔ ادھر یورپی کمیونٹی نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے
اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے یورپی کمیونٹی کا موقف ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان میں
ٹرانسپورٹ کا شعبہ بری طرح متاثر ہوگا جبکہ مال برداری سے ہونے والی پاکستان ریلوے کی آمدنی
بند ہونے سے ساتھ ہزاروں افراد بے روزگار ہو جائیں گے۔ یورپی کمیونٹی کا کہنا ہے کہ معاہدے
کے تحت اگر افغانستان کے ٹرانسپورٹرز کراچی سے مال افغانستان لے کر جاتے ہیں تو پاکستان کے
ٹرانسپورٹر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں گے جبکہ افغان ٹرانسپورٹرز کی آمد سے امن و امان کی
صورتحال متاثر ہونے کا بھی خدشہ ہے۔ یہاں پر نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے سے ہونے
والے منفی اثرات کی تفصیل سے قبل موجودہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کی وضاحت کرنا
ضروری ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور کنونشن کے تحت جس ملک میں سمندر نہیں ہوگا اس کو
اس ملک کی سمندری سہولیات فراہم کرے گا اور سمندر سے خروم ملک کے لئے دیگر ممالک
سے آنے والی تمام اشیاء کیلئے اپنی بندرگاہوں سے اس ملک کی سرحد تک راہداری کی سہولت فراہم
کرنا۔ جیسے بھارت نیپال کو یہ سہولت مہیا کر رہا ہے۔ پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ 45 سال
کیلئے 1965ء میں بین الاقوامی کنونشن کے تحت عمل میں لایا گیا جس کے تحت پاکستان اپنی بندرگاہ یعنی
کراچی سے طورخم اور چمن کے راستے افغانستان کو سہولیات فراہم کر رہا ہے۔ افغانستان کیلئے دیگر ممالک سے درآمد

ہونے والے سامان کی کراچی سے طورخم اور چمن تک ٹرانسپورٹیشن کی ذمہ داری پاکستان کی ہے۔ اس
سہولت کے بدلے افغانستان سے پاکستان آنے والی اشیاء پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاتا۔ اس
سہولت کے بدلے پاکستان ریلوے کو سالانہ 3 ارب روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ
افغانستان سے آنے والے مال پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاتا۔ اس سہولت کے بدلے پاکستان کو
افغانستان سے ایک روپیہ (باقی) پر 22 پیسے کمیشن ملتا ہے۔ اس کمیشن کی مد میں بھی پاکستان
کو سالانہ 48 ہزار روپے ملتا ہے۔ جبکہ این ایل سی کا کرایہ 75 ہزار روپے تک ہے۔ افغانستان
سے آنے والے مال پشاور تک تانیے سے پہنچتا ہے جبکہ این ایل سی کا کرایہ 75 ہزار روپے تک ہے۔ افغانستان
سے آنے والے مال پشاور تک تانیے سے پہنچتا ہے جبکہ این ایل سی کا کرایہ 75 ہزار روپے تک ہے۔ افغانستان
سے آنے والے مال پشاور تک پہنچایا جاتا ہے اور ریلوے کی نسبت مختصر وقت میں پہنچتا ہے۔

افغانستان کو راہداری کی سہولت دینے سے ہونے والے نقصانات کی تفصیلات سے بھی
بڑھ کر افغانستان کو راہداری کی سہولت دینا ہے۔ خصوصاً افغانستان سے آنے والی درآمدی اشیاء
میں خشک میوہ جات کا حجم بہت زیادہ ہے۔ کوئٹہ سے چونکہ قندھار نزدیک پڑتا ہے اس لئے وہاں کی پیداوار اور درآمدی اشیاء
کے راستے بھارت اور دیگر ممالک کو پہنچایا جاتا ہے جبکہ خیبر پختونخوا میں پاک افغان سرحد سے
قریب ترین شہر شریف ہے جہاں کی پیداوار فریش اور زرعی فروٹ کے ہوتا ہے۔ واہگہ بارڈر بھی ہے۔
پاکستان کے راستے بھارت پہنچایا جاتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے سے متعلق ٹرانزٹ کا
سامان ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوتا ہے لہٰذا حکومت پاکستان کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا جبکہ اس
ٹرانزٹ کے ذریعے فریٹ کی سہولیات کی مد میں پاکستان ریلوے سالانہ 3 ارب روپے کمارہا ہے
اس سے وہ صرف کراچی میں 3 ہزار کسٹم کلیئرنگ ایجنٹ کام کر رہے ہیں اور ہر ایجنٹ کے پاس
کم سے کم 20 افراد پر مشتمل عملہ ہے جبکہ کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) پر کریٹنگ اور دیگر بھاری
مشینری پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اسی طرح صوبہ خیبر پختونخوا میں
کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس کی تعداد 300 ہے۔ 60 بارڈر ایجنٹ ہیں ان کے پاس بھی 10 سے

15 افراد پر مشتمل وفد ہے جس میں 8 افراد ان فارورڈ مگ ایجنسی کے دفاتر میں 8 ذمہ داری پورٹ 2
ایئر پورٹ اور 4 بارڈر پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان ہزاروں افراد کا روزگار ٹرانزٹ ٹریڈ
سے وابستہ ہے۔ نئے معاہدے کی رو 2009ء کے آخر میں ہموار کی گئی ورلڈ بینک نے پاکستان
اور افغانستان کو 1965ء میں کیے جانے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے میں ترامیم
کرنے کی خواہش ظاہر کی اور نیا پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ عمل میں لانے کے لئے 13
جنوری کو اسلام آباد میں پاکستان اور افغانستان کے ٹرانزٹ ٹریڈ سے وابستہ تاجروں کے لئے ایک
روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس کے تمام انتظامات ورلڈ بینک نے کیے تھے حیران کن بات تو
یہ ہے کہ معاہدہ پاکستان اور افغانستان کے مابین ہونے جا رہا تھا اور دونوں ممالک کی تجارت و
وزارتوں کے بجائے اس کے لئے بات چیت کا انعقاد ورلڈ بینک کر رہا ہے اور اس معاہدے کو جلد
از جلد حتمی شکل دینے پر زور دے رہا ہے۔ (1965ء میں پاک افغان معاہدہ دونوں ممالک کی
وزارتوں کے درمیان ہوا اور اس میں کوئی تیسرا فریق شامل نہیں تھا) 13 جنوری کی تقریب میں
ورلڈ بینک کے نمائندوں کے علاوہ افغانستان کے اس کاروبار سے وابستہ افراد نے شرکت کی جبکہ
صوبہ خیبر پختونخوا سمیت پاکستان کے کل 110 تاجر شامل ہوئے۔ تقریب کے پہلے سیشن میں
ورلڈ بینک نے نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے حوالے سے بریفنگ دی جبکہ دوسرے سیشن میں اس
کاروبار سے وابستہ افراد نے اپنی تجاویز دیں جبکہ خیبر پختونخوا کی نمائندگی کرنے والے تاجروں
نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ میں بعض ترامیم پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا اس وقت نئے
ٹرانزٹ معاہدے میں جو پیچیدگیاں شامل کرنے کی تجویز ورلڈ بینک نے دی تھی ان
[illegible] ورلڈ بینک [illegible] مال [illegible] پاک افغان بارڈر پر پہنچائے گی جبکہ
[illegible] سے اپنی ٹرانزٹ استعمال کرے گی۔ دوسرا اہم نقطہ یہ

[illegible] بھارت کا افغانستان کے لئے بھجوایا گیا مال [illegible] سے [illegible]
[illegible] بھارت ہے۔ بارڈر کراسنگ سے براہ راست اپنے ٹرکوں [illegible]
[illegible] گا۔ معاہدے میں تیسرا انتباہی منفی پہلو یہ شامل ہے کہ معاہدے میں افغانستان سے
Agree جبکہ پاکستان کیلئے ضامن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی افغانستان معاہدے سے
بھی dis agree کر سکتا ہے لیکن پاکستان چاہ کر بھی ضامن سے پیچھے نہیں
ہٹ سکتا اس مجوزہ ڈرافٹ پر بزنس کمیونٹی نے سخت تحفظات کا اظہار کیا تھا اور [illegible]
[illegible] سے پاکستان پر انتباہی منفی اثرات پڑیں گے پہلا انتباہی اہم پوائنٹ یہ ہے کہ
ٹرانسپورٹ کی ذمہ داری دینا جس سے کراچی کے گودی اور صوبہ خیبر پختونخوا 3300 ٹرانسپورٹ
بزنس کے علاوہ ان کے پاس کام کرنے والا عملہ جس کی تعداد ہزاروں میں بنتی ہے بے روزگار
ہو جائے گا دوسرا انتباہی منفی پہلو ٹرانزٹ کے لئے استعمال ہونے والی ٹرانسپورٹ وہی ہوگی
جو پاکستان لیتا ہے۔ کمپنی کی اپنی گاڑیاں استعمال ہونے سے صرف پاکستان ریلوے کو سالانہ 3 ارب
روپے کا نقصان اٹھانا پڑیگا جو پہلے ہی اربوں کے خسارے کا شکار ہے۔ تیسرا منفی پہلو بھارت کو
پاکستان کے راستے افغانستان تک راستہ دینا ہے جو کسی طور بھی [illegible] میں نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ
یہ ہے کہ 13 جنوری کو اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنس میں شامل بزنس کمیونٹی نے اپنے شدید
تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے تحریری طور پر حکومت کو آگاہ کر دیا تھا پاکستانی روپیہ کاروں کا شروع
سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ اگر ہمارا افغانستان کو برآمدی کی سہولت بغیر کسی سرکاری فیس کے دے رہے
ہیں تو یوں نہ پاکستان کو بھی افغانستان کے ذریعے وسطی ایشیائی ممالک تک رسائی دی جائے اور
پاکستانی مصنوعات بھی افغانستان کے ذریعے 6 آزاد ریاستوں اور یورپی ممالک کو سپلائی کر سکیں۔
اور اگر بھارت یہ کہے کہ اگر بھارت واہگہ کے ذریعے افغانستان کو مال سپلائی کرنے کی اجازت دی
جائے تو یوں نہ پاکستانی مصنوعات بھی بھارت کے راستے بنگلہ دیش اور دیگر ممالک تک

پہنچی ہے۔ یہ ان کی بات تو یہ ہے کہ روس تک کی پہلی کانفرنس میں پاکستان سے تیسرے درجہ
وزارت کو بھیجا گیا۔ بعد ازاں صوبہ سرحد چیمبر آف کامرس کے وفد نے 15 جنوری ۱۹۶۰ء
آصف علی زرداری سے ملاقات کے دوران بھی نئے افغان ٹرانزٹ معاہدے پر اپنے شدید
تحفظات کا اظہار کیا تھا جس پر صدر نے ان کے خدشات دور کرنے کی بھی یقین دہانی کرائی تھی۔

اگر ہم بھارتی ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کی بات کریں تو اس حوالے سے پاکستان اپنے مؤقف
پر نظر ثانی کرتا اور بھارت کو ٹرانزٹ ٹریڈ کی سہولت سے انکار کی پالیسی سے رجوع کر کے اور پڑوسی
ملک کے سہولت فراہم کی گئی ہے۔ اصل بات بھارتی سامان کی افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں
تک فراہمی ہے جس کے ذریعے سے بھارت کو اپنے مال کی کھپت کے لئے ایک بڑی منڈی
میسر آ گئی ہے اور ہمیں اس سے میں رہداری کے چند سکے ملیں گے۔ افغانستان کی جانب سے
پاکستان کو اس سہولت سے بھی وسطی ایشیائی ریاستوں تک رہداری کی سہولت دینے سے
پاکستانی معیشت اور تجارت پر کوئی قابل ذکر مثبت اثر پڑنے کا زیادہ امکان نہیں۔ بھارتی سستا مال
بھی سرحدی ان ممالک کو پہنچنا شروع ہو جائے تو مارکیٹ میں مقابلہ کی جو فضا پیدا ہو گی اس کا
مقابلہ نہ کر سکنے کے باعث ان ممالک کے شعبہ ہائے صنعت کاروں کے لئے آسان ہدف
ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فیکٹے سے بھارت کو اپنے مال کی کھپت بڑھانے سے
جو فوائد حاصل ہوں گے اس سے کہیں زیادہ پاکستان کے اندرونی معیشت پر جو منفی اثرات مرتب ہوں گے
اس کا تخمینہ بھی لگایا جانا چاہیے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا جو مال اس وقت مکمل ہو کر پاکستان واپس
آتا ہے اس کی مالیت سے بھی افغانستان کے بھیجی جانے والی مصنوعات کی مالیت کہیں زیادہ ہے
اس کی وجہ سے بھی افغانستان سے واپس آنے والے مال کی کھپت کے لئے بھی ہمارے صنعت کاروں کو
مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے صنعت کاروں کو جو اضافی
اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے اس صورتحال سے بھی

ہماری نظر کی پالیسی اختیار کی ہے۔ بھارتی سامان کی پاکستان کی بندرگاہوں سے
ہونے والی درآمد سے ہمارے صنعت کاروں اور کاشتکاروں کو جو نقصان پہنچے گا اس کا
اس انتظام میں یہ بات سراسر فراموش کر دی گئی ہے کہ بھارت پاکستان کی
کے راستے بھارتی سامان
اس سے کہیں زیادہ
ہو گا۔ اس سے
ہو گا۔ اس سے
ہو گا۔ اس سے

ہونے والے سامان کو ان واہ کرنے کی اجازت ہوگی جبکہ سے افغان ٹرک بھارتی ...
افغانستان سے جو چیز کے لاہور پاکستان سے منسلک پر افغانستان میں یہ آف لرٹیفکیٹ (ایل سی)
ہونے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ افغان ٹرک ڈرائیوروں اور عملے کو ویزے جاری کیے جائیں
گے جو تمام بین الاقوامی قوانین کو مدنظر رکھے گا اور پاکستان افغانستان سے ٹرانزٹ کارگو
لے جا سکے گا کہ سڑک کی روایتی قوانین کے لیے لنکر ڈیوٹی اصول کی جائے جبکہ افغانستان و پشاور سے
کراچی تک ٹرک سے جانے کی اجازت دی گئی ہے

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کے نقصانات

جبکہ افغان ٹرانسپورٹ سے آنے سے پاکستان ریلوے کو 3 ارب روپے کا نقصان ہوگا
(ریلوے کو پہلے ہی 40 ارب روپے خسارے کا سامنا ہے)۔
جبکہ این ایل سی (نیشنل لاجسٹک سیل) کو 2 ارب روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا اس
سے روزگار سے وابستہ لاکھوں افراد بے روزگار ہو جائیں گے۔
جبکہ افغان ٹرک ملٹ ویلڈ ٹرالیاں روکتے ہیں جو سڑکوں کو نقصان پہنچانے کے خدشات بھی ہیں۔
جبکہ افغانستان سے آنے والے بھارتی سامان سے کراچی پاکستان کے راستے ہی کابل اور آگے وسط ایشیا
تک جا سکیں گے جس سے جبکہ افغانستان اور وسطی ایشیا کی مارکیٹ سے بھی پاکستان آؤٹ ہو
جائے گا۔
پاکستان کی معیشت میں ڈیڑھ سے دو ارب کی سمگلنگ خدشات بھی ظاہر کیے گئے۔
افغان ٹرانزٹ سے آنے والے ایندھن اور اشیا کی بڑی کھیپ پاکستان میں آسانی پہنچ جائے

(اکتوبر 2010ء)

کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے

...ں حالات میں کہ جب ساری قوم پر مہنگائی کا عذاب مسلط ہے اور ...
...ی غربت کی لکیر سے نیچے یا اوپر زندگی گزار رہے ہیں ...
...ں چل رہا ہے۔ ہاتھ رکھے ہوئے ہیں ...
...ولیوں اور قحط کے خوف نے ...
...ی ہے جس کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہ ...
...ں کے اثاثہ جات میں گزشتہ چھ سال سے دوران ...
...ہے۔ یہ بات محل نظر رہے کہ شاید ہی دنیا ...
...ہے ہوں لیکن اس کے باوجود ان میں ...

...ے۔

...زشتہ دنوں جب سیلاب زدگان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا تو یہ بات ...
...محل اس بات پر رہ پڑا کہ انہیں "آفت رسیدہ" کیوں کہا جا رہا ہے ...
...ں پر آفت لانے اور وہاں کے لوگوں کو مصیبت میں ...

...ہے؟

...پلڈاٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق اراکین اسمبلی الیکشن مہم پر ...
...مطابق ان کے اثاثہ جات میں 6 سال کی مدت میں تین گنا سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ سال ...
2002-03ء میں اراکین کے اوسط اثاثے 27 لاکھ روپے تھے جو کہ 2008-09ء میں ...
بڑھ کر 81 لاکھ روپے ہو گئے۔ پیپلز پارٹی کے اراکین مخدوم امین فہیم جن کے اثاثہ جات 3 ارب 28 کروڑ سے ...
اثاثوں کے ساتھ سب سے امیر اور سعید اقبال چوہدری غریب ترین ہیں۔ پلڈاٹ کے جاری کردہ ...
مذکورہ رپورٹ کے مطابق اوسط اثاثوں میں سال 2007-08ء کی نسبت 9.5 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ...
فیصد مسلم اراکین اسمبلی 35 20 لاکھ روپے کے اثاثہ جات رکھتے ہیں جو کہ اراکین کے اثاثہ جات کی ...
اوسط سے 75 فیصد کم ہیں۔ قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے این اے 23 بلوچستان سے رکن قومی ...
اسمبلی مخدوم امین فہیم جن کے اثاثہ جات 3 ارب 28 کروڑ 80 لاکھ روپے کے ساتھ سب سے زیادہ ...
امیر ہیں۔ 1 ارب 62 کروڑ 70 لاکھ روپے کے اثاثوں کے ساتھ راولپنڈی سے مسلم لیگ ...
(ن) کے رکن اسمبلی شاہد خاقان عباسی دوسرے نمبر پر ہیں۔ مسلم لیگ (ف) کے جہانگیر ترین 1 ...
ارب 9 کروڑ 50 لاکھ روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ سعید احمد ظفر 1 ارب ...
3 کروڑ روپے کے اثاثوں کے مالک ہیں جو سب سے امیر رکن اسمبلی مسلم لیگ (ن) کی نوابزادہ ...
صاحبزادی ہیں جو 912.81 کروڑ روپے کے اثاثہ جات رکھتی ہیں۔ سال 2007-08ء میں ...
تمام اراکین نے الیکشن کمیشن کو اپنے اثاثہ جات کی جو تفصیلات دی تھیں اس کے مطابق محبوب اللہ ...
کاکڑ 25 کروڑ 20 لاکھ روپے کے اثاثوں کے مالک تھے جبکہ زرتاج صادق 1 ارب 51 ...
کروڑ روپے کے اثاثہ جات کی مالک تھیں۔ چوہدری زاہد اقبال کے اس وقت اثاثہ جات ...
کی مالیت 811 کروڑ روپے تھی جو انہوں نے اپنی ذاتی کمپنی کے ذریعے ...
ظاہر کیے تھے۔ ...

...سعید اقبال چوہدری رکن قومی اسمبلی ہیں جو 29 کروڑ روپے کے اثاثہ جات کے مالک ہیں۔ ...
...کے بعد رکن این اے 239 ملیر کراچی شاہی سید کے تعلق رکھنے والے ...
...ثروت صادق کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں۔ ...
515.25 کروڑ روپے کی مالیت ہیں۔ ...
...تیسرے نمبر پر ہیں۔ ...
...جن کے اثاثہ جات میں ایک سال ...
...ہیں 12 گنا اضافہ ہوا ہے۔ ...
...سب سے زیادہ امیر اراکین اسمبلی مسلم لیگ (ق) کے ہیں جن کی فی رکن اسمبلی اوسط 239 ...
کروڑ روپے بنتی ہے۔ پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی 122 کروڑ روپے، آزاد اراکین 108 ...
کروڑ روپے، پیپلز پارٹی کے اراکین 102 کروڑ روپے، مسلم لیگ (ن) 75 کروڑ روپے، مسلم ...
لیگ (ق) کے 62 کروڑ روپے، ایم کیو ایم کے 61 کروڑ روپے، پیپلز پارٹی شیر پاؤ کے 37 ...
کروڑ روپے، ایم کیو ایم کے 25 کروڑ روپے، این پی 14 کروڑ روپے، اے این پی کے اراکین ...
اسمبلی 6 کروڑ روپے کی اوسط رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2002ء سے 2006ء کے دوران پرویز مشرف کی حمایت کرنے والے ...
رکن قومی اسمبلی عمران خان وزارت کے حوالے سے پہلے نمبر پر ہیں جن کے اثاثوں کی مالیت 85 ...
کروڑ روپے تھی جبکہ مسلم لیگ (ن) 61 کروڑ کے ساتھ دوسرے، مسلم لیگ (ق) 56 کروڑ کے ...
ساتھ تیسرے اور پیپلز پارٹی کے ارکان 34 کروڑ کے اوسط اثاثوں کے ساتھ چوتھے نمبر پر ...
رہے۔

رپورٹ کے مطابق 2008-09ء میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی کے ...
حوالے سے پہلے نمبر پر رہے جبکہ خیبر پختونخوا، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کا نمبر اس کے بعد

ہے۔ 2007-08ء میں بھی اسد عمر کے ارکان سرفہرست ہے۔ مجموعی اثاثوں کی مالیت
سے نواز سے پنجاب 54 فیصد کے ساتھ پہلے نمبر پر رہا تاہم ان میں 2002ء سے 2006ء
کے دوران 73 فیصد کی ہوئی۔ خیبر پختونخوا 31، سندھ کا حصہ 10 فیصد، فاٹا تین فیصد، اسلام
آباد ایک فیصد اور بلوچستان ایک فیصد اثاثوں کا مالک رہا۔

کاش پاکستان کے بدقسمت عوام پر جان سکتے کہ ہمارے معزز اراکین پارلیمنٹ کے پاس دو
کون سی جادو کی چھڑی ہے جس کے چھونے سے ان کے کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہے
ہیں اور ملکی اقتصادیات کا جنازہ نکل پڑا ہے اور ایک مستند رپورٹ کے مطابق عالمی بینک نے
پاکستان کو ملکی بینکوں کے لئے فنڈز کی فراہمی روک دی ہے۔ بینک کے نائب صدر برائے جنوبی ایشیا،
نے جو گزشتہ دنوں پاکستان آئے تھے 10 ستمبر کو روزنامہ "ڈیلی ٹائمز" کو بتایا کہ سرمایہ ضائع کرنے والا
بینکوں کا شعبہ پاکستان کے بجٹ اور بینکنگ سیکٹر کا مستقبل کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ کیونکہ گردشی قرضہ
جو اس وقت 872 ارب روپے تک پہنچ چکا ہے اور اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ نائب صدر برائے جنوبی ایشیا مسز ایزابل
گوریرو نے ایک خصوصی انٹرویو میں کہا تھا کہ بینکوں کے شعبے میں بڑھتی ہوئی سبسڈیز بجٹ کے تمام
مالیاتی توازن کو بری طرح متاثر کر رہی ہیں اس لئے عالمی بینک نے پیسے کے اس ضیاع کو فوری طور پر
روکنے کی ہدایت کی ہے۔ اس سے قبل عالمی بینک گزشتہ دس سال سے شعبہ بجلی کیلئے پیسے فراہم
کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاہم اس سے پہلے کبھی بھی مسز ایزابل نے کہا کہ اب عالمی بینک نے اس شعبہ کیلئے
پیسے دینا بند کر دیئے ہیں۔ یہ فیصلہ بھی مالی سال 2009ء کے بڑھتی ہوئی سبسڈیز کسی مسئلے کا حل نہیں ہیں تاہم
بینک کے مطابق حکومت بجلی کے لئے سبسڈی دیتے 30 ارب روپے کی منظوری دے
چکی ہے۔ اب صنعتوں کے لئے جو بجلی استعمال کریں گے۔ اب صنعتوں کو بھی آپشن دے گئے ہیں کہ
وہ بجلی کی قیمتوں میں اضافے کو برداشت کریں یا پھر اپنے آٹھ ارب روپے کا بجٹ
بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے لئے وزارت خزانہ نے بھی بتایا کہ بجلی کی قیمتوں

میں اضافہ کا تو عمل مکمل ہو چکا ہے اور صارفین پر اب اس کا بوجھ منتقل ہو رہا ہے۔ اس سے
قیمتوں میں زبردست اضافے سے ہوشربا مہنگائی صنعتوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی
برداشت نہیں کر سکتی۔

واشنگٹن میں گزشتہ دنوں آئی ایم ایف سے ملاقات کے بعد وزیر خزانہ نے
جو اندازہ لگایا گیا ہے اس میں بھی روپے کی قیمت میں کمی سے بجلی کی قیمتوں میں 30
ارب روپے کے نہیں بڑھنے جا رہے ہیں۔ وہ اس سے واقف ہیں کہ اس سے
بخوبی آگاہ ہیں کہ اس کا حصول ممکن نہیں۔ بجلی کی قیمتوں میں
بعد شاندار نتائج دکھانا شروع کر دے گا۔ بجلی کی قیمتوں میں
کسی کو قربانی کیا جائے گا جو اس نیم مردہ بجلی کے
کے مطابق حکومت شعبہ بجلی کے لئے 30 ارب روپے کی
ہوئے سمارٹ میٹر نصب کیے جائیں جو میٹر چوری کو ختم اور
جائے اور کرپٹ مناسر کو نکال کر ان کی جگہ ایماندار اور
کی قیمتوں میں تین سے چار مراحل میں تیس فیصد اضافے کیے جائیں گے۔ اس
سال کیلئے بجٹ میں منظور کردہ تیس ارب روپے میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ گردشی قرضہ
700 ارب روپے رہے گا۔ جو لوگوں سے بجلی بلوں کی صورت میں وصول کیا جا رہا ہے لیکن اصلاحات
کے نفاذ پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے بجلی کے شعبے میں بحران گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ ان
حقیقی معنوں میں 35 فیصد تک ہیں لیکن چوری کے مختلف طریقوں میں چھپانے کی کوشش کرتے
ہیں مثال کے طور پر چوری کے اپنے ملازمین کیلئے الاؤنس متعارف کرانے کی بجائے انہیں مخصوص
حد تک بجلی کے یونٹ مفت استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس سہولت کا ملک بھر میں بڑے
پیمانے پر غلط استعمال کیا جا رہا ہے۔ ذرائع نے کہا ہے کہ بجلی کے شعبے میں اصلاحات کے لئے

زور دیا گیا ہے کہ خود ہی روایتی بیانی کمپنیوں کے قیام کی جانب آیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ان کمپنیوں نے کیس سے پچیس فیصد حصص مقامی سرمایہ کاروں میں فروخت کرنے کی شرط رکھی ہے۔ اس سے پہلے وزارتِ خزانہ نے کہا کہ وزارتِ تیل اور صدر فیصلہ کرے کہ اوگرا کی رپورٹ کے مطابق گیس کی قیمت میں اضافہ دیا جائے۔ اوگرا نے ۱۰۰ فیصد اضافے کی تجویز دی ہے۔ اوگرا کی رپورٹ کے مطابق گیس کی قیمت میں اضافہ ک

Prop
حامد
اردو فیئر
کیلئے

(2) اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

مٹی پاؤ سے اپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

[illegible] پاکستان کے خلاف بھارتی

[illegible] صفحات سے نکال کر آپ

تک پہنچا ہے۔

قیمت 250 روپے [illegible] 042-36361089

② اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

کمتی باہنی سے اپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پراز حقائق تحقیق۔

☆ این فرنٹ آف ہیومینٹی کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبتے چلے جا رہے تھے۔

☆ کمتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمٰن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی دہشتناک کارروائیوں کی کہانی۔

☆ مصنف مصنف طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹمپل پر حملے کے ایک ایک لمحے کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250/- روپے ساگر پبلی کیشنز 16۔ ای ٹمپل روڈ موہنی سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور فون 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

② اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

کمتی باہنی سے اپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پراز حقائق تحقیق۔

☆ ان خون آشام واقعات کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبتے چلے جا رہے ہیں۔

☆ کمتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بیگناہ مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمٰن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی وحشیانہ کارروائیوں کی کہانی۔

☆ مصنف موصوف طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹمپل پر حملے کے ایک ایک لمحے کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250 روپے — ساگر پبلی کیشنز 16۔ ای ٹمپل روڈ سمن آباد سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور فون: 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

مصنف: طارق اسمٰعیل ساگر

☆ پاکستان میں خصوصاً 9/11 کے بعد بھارتی دہشت گردی کا پہلا منظر اور پیش منظر۔

☆ تحقیقی اور تفتیشی رپورٹ جو آپ کو کوئی کہانی سنائے گی جس پر شاید آپ مشکل ہی سے یقین کریں۔

☆ بھارت افغانستان سے اپریشن بلیو سٹار تک پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مکمل احوال۔

☆ گولڈن ٹمپل، بھارتی مظالم اور پاکستانیت کے حامل طلبہ کے لئے خصوصی تحفہ۔

☆ پاکستان کے خلاف کی گئی سے زیادہ [illegible] سازشوں کو سمجھنے کے لئے ایک اہم دستاویز۔

قیمت 300 روپے — صفحات 368

[illegible] قارئین کے لئے خصوصی رعایت

رابطہ 16۔ [illegible] 042-36361089 موبائل 0300-9468248